تذکرہ

حضرت شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوریؒ

رحمۃ اللہ علیہ

حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کے حالات و کمالات اہلِ علم و دانش
کے قلم سے

مرتب
گلزار محمد آزاد

ملنے کا پتہ
دفتر انجمن خدام الدین ○ شیرانوالہ گیٹ لاہور

مظفر عباسی
تحفہ از جناب علامہ مظفر عباسی

اظہارِ حقیقت

الحمد للہ وکفیٰ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ!

امابعد: قطب الاقطاب شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق رسالہ خدام الدین نے عرصہ ہوا "شیخ التفسیر نمبر" شائع کیا تھا جو کہ بفضلِ خداوند کریم مقبول عام و خاص ہوا۔ عوام الناس کے دینی فائدے کو مدِنظر رکھتے ہوئے اکثر مضامین کو کتابی شکل میں شائع کر دیا گیا۔ نیز حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ، مہتمم دار العلوم دیوبند نے جلسہ تقسیم اسناد (مدرسہ قاسم العلوم) لاہور انجمن خدام الدین شیرانوالہ میں تقریر ارشاد فرمائی بھی تذکرہ میں شامل اشاعت کر دی ہے۔ دیگر اخبار کوہستان نے بھی حضرت شیخ التفسیرؒ کے بارے میں ایک دلچسپ مضمون لکھا تھا وہ تذکرہ میں شامل کر دیا ہے۔ مقصد تذکرہ شائع کرنے کا صرف یہ ہے کہ حضرتؒ نے جو ساٹھ سال دین اسلام کی خدمت محض رضائے الٰہی کے لئے کی تھی یہ انہی کے صدقہ جاریہ کی ایک کڑی ہے۔

انتساب
صاحبزدگان
محمد اجمل، محمد اکمل سلمہما اللہ تعالیٰ
خلف الرشید
جانشین شیخ التفسیرؒ
حضرت مولانا عبید اللہ انور مدظلہ

گلزار محمد آزاد خادم حضرت لاہوریؒ

تذکرہ شیخ التفسیر مولانا احمد علی صاحبؒ

تحریر: امین راحت چغتائی۔ ت

ایک عالم کی موت سارے عالم کی موت ہوتی ہے لیکن ایسے مردِ حق آگاہ کی موت کو کیسے تسلیم کر لیا جائے جو حقیقت و مجاز کے درمیان صدیوں کے فاصلے ایک ہی جست میں پھلانگ گیا ہو جو موت کے سائے میں بھی زندگی کو جلو میں لے کر چلنے کا عادی ہو۔ اور جس نے لڑکپن کا زمانہ اپنے والدین کی شفقت و محبت کے گلستان میں گزارنے کی بجائے مصائب و آلام کے خارزاروں میں بسر کیا ہو۔

یہ اس عالم دین اور اپنے دور کے قابل فخر انقلابی کی داستان ہے جسے ہم شیخ التفسیر مولانا احمد علیؒ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ اور جس کا بچپن ماں کے پیار کی جگہ جنگل سے خشک لکڑیاں چننے، گھر کا پانی بھرنے اور اپنے بھائیوں کے کپڑے دھونے سے عبارت تھا وہ کیکر کی پھلیاں اور جنگلی بیر کھا کر اپنا پیٹ بھرتا تھا لیکن قناعت پسند جبین پر شکن تک نہ آتی تھی۔ اور آتی بھی کیسے جس کے مولا و ہادیؐ نے پیٹ پہ پتھر باندھ کر دین کی عظمت کا پرچم لہرایا ہو۔ وہ اپنی ملی روایات پر حرف گیری کیوں کر گوارا کرتا۔

حضرت مولانا احمد علیؒ کی موت کو دو سال ہوتے ہیں لیکن مرنا تو وہ ہے جس کے آثار مٹ جائیں حضرت مولانا کے نقوش تو پنجاب، سندھ اور شمال مغربی سرحدی علاقے میں آج بھی یوں تازہ دکھائی دیتے۔ جیسے ماہ و سال کی گردش سے نا آشنا ہوں اور پھر جس کے شیوخ میں شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ قطب الاقطاب ابوالحسن شاہ

سید تاج محمود حضرت حافظ محمد صدیقؒ اور مولانا عبیداللہ سندھیؒ ایسے مردان باصفا شامل ہوں اس کے آثار کو مٹانا زمانے کے بس کی بات نہیں ہوتی مولانا احمد علیؒ نے محنت و مشقت کی جو زندگی لڑکپن میں گزاری وہ دراصل مستقبل کے نشیب و فراز سے عہدہ برآ ہونے کی تربیت تھی۔ اس تربیت میں مشیت ایزدی سے کچھ ایسا اہتمام ہوا تھا کہ انہیں آئندہ زندگی میں کوئی مشکل، کوئی مصیبت یا کوئی خوف صدائے حق کی اشاعت سے باز نہ رکھ سکا۔ حضرت قصبہ جلال (ضلع گوجرانوالہ) کے رہنے والے تھے اور ۲ رمضان ۱۳۰۴ھ کو یہیں پیدا ہوئے۔ ہوش سنبھالا تو والدہ نے خود قرآن مجید پڑھایا۔ بعد میں اپنے شیخ حبیب اللہ کے ایماء پر مولانا عبدالحقؒ خطیب جامع مسجد گوجرانوالہ کے حلقہ درس میں شامل ہو گئے۔ اور جب حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ، شیخ الہند کے ارشاد پر سندھ میں درس و تبلیغ کے کام پر مامور ہوئے تو شیخ حبیب اللہ نے اپنے ہونہار بیٹے کو تعلیم و تربیت کے لیے ان کے سپرد کر دیا۔ اور یہیں سے مولانا احمد علیؒ کے انقلابی ذہن کی تربیت کا آغاز ہوا۔ ۱۸۹۶ء میں نو (۹) برس کی عمر میں باپ کی وفات کے بعد آپ کی والدہ حضرت مولانا سندھیؒ کے عقد ثانی میں آگئیں۔ مولانا سندھیؒ کی پہلی بیوی وفات پا چکی تھیں۔ لیکن ماں کی محبت بھی زیادہ دیر نصیب نہ ہوئی۔ قدرت نے کم سنی ہی میں وہ تمام مراحل طے کروا دیے جو عظیم شخصیتوں کی زندگیوں سے منسوب ہیں۔ وقت گزرتا رہا اور اس صاحب بصیرت بچے کی تربیت مولانا عبیداللہ سندھی کی نگرانی میں ہوتی رہی۔ دس بارہ سال اور گزر گئے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب جب برصغیر میں انگریزی استعماریت مسلمان کے ذہن کو بدلنے کا تہیہ کر چکی تھی انگریز علماء کو سب سے زیادہ خطرناک طبقہ قرار دیتا تھا لیکن حالات کا

تقاضا تھا کہ حضرت مجدد الف ثانی کی روایات کو از سر نو تازہ کیا جائے گا۔ اور ایسا کرنے کے لیے ضروری تھا کہ ایسے باشعور علماء کو ایک مرکز پر اکٹھا کیا جائے جو دین فطرت کے انقلابی رجحانات سے کما حقہٗ واقف ہوں اور اپنی زندگی اس نصب العین کے لیے وقف کرنے کی جرأت رکھتے ہوں۔ آخر مولانا سندھیؒ نے گوٹھ پیر جھنڈا کے سجادہ نشین مولانا رشد اللہؒ کے مشورے سے گوٹھ پیر جھنڈا ضلع نواب شاہ سابق سندھ ہی میں مدرسہ دارالارشاد قائم کیا۔ اور حضرت مولانا احمد علیؒ یہاں سے فارغ التحصیل ہونے والے پہلے پانچ طلبا میں سے تھے یہ امر قابل ذکر ہے کہ حضرت مولانا سندھیؒ کی پہلی اہلیہ سے ان کی ایک صاحبزادی تھیں جو مولانا احمد علیؒ کے حبالۂ نکاح میں آئیں مگر وہ زیادہ دیر زندہ نہ رہ سکیں آپ کی دوسری شادی مولانا عبیداللہ سندھی ہی کے ایک ہم سبق مولانا ابو محمد احمد کی صاحبزادی سے انجام پائی۔ شیخ التفسیر کی نکاح خوانی کی رسم شیخ الہند نے ادا کی اس قرابت داری کے بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ حضرت عبیداللہ سندھیؒ اور مولانا احمد علیؒ کا باہمی تعلق اور نظریاتی ہم آہنگی واضح ہو سکے جب قدرت اپنے کسی بندے کو کسی عظیم کام پر مامور کرتی ہے تو اس کے لیے ماحول بھی ویسا ہی پیدا کر دیتی ہے۔

جمعیۃ الانصار

مولانا سندھی نے شیخ الہند حضرت محمود الحسنؒ کے ارشاد پر دیوبند میں جمعیۃ الانصار کی بنا ڈالی۔ یہ ادارہ ایک تاریخی دینی تنظیم کا حامل تھا جس کے اثرات برصغیر کے علاوہ افغانستان، ایران، ترکیہ، بخارا اور سعودی عرب میں بھی محسوس کئے گئے۔ ادھر دہلی میں "نظارۃ المعارف القرآنیہ" کی بنیاد رکھی گئی۔ اس ادارے کی سرپرستی

کے فرائض ڈاکٹر انصاری کو سونپے گئے ان اداروں میں شیخ الہندؒ کی سوچی سمجھی حکیم کے تحت قرآن حکیم کی انقلابی تفسیر کے درس کا آغاز ہوا "جمعیۃ الانصار" میں تفسیر پڑھانے کا کام چیدہ علما اور گریجویٹوں کی ایک جماعت کے سپرد ہوا مدرسہ نظارۃ المعارف کے قیام کے ساتھ مولانا محمود الحسنؒ نے مولانا احمد علیؒ کو نواب شاہ سے دہلی طلب کر لیا اور وہاں کا مدرسہ بند کر دیا گیا اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ تمام ہم خیال علماء اور سیاسی معاونین حسن اتفاق سے دیوبند اور دہلی میں اکٹھے ہو گئے تھے رفقاء کار کی تعداد محدود تھی۔ کام بہت زیادہ تھا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ سالوں کی مدت کو مہینوں میں سمیٹنا تھا۔ لہٰذا ضروری تھا کہ تمام رفقا ایک دوسرے کے قریب رہیں اور موقع محل کے مطابق ہدایات حاصل کر کے ان پر عمل پیرا ہوں

نظارۃ المعارف

"مرد مومن" کے مؤلف عبدالحمید خاں نے مولانا سندھیؒ کی ذاتی ڈائری کے حوالے سے لکھا ہے کہ "مدرسہ نظارۃ المعارف انگریز کی نظر میں کھٹکتا ہوا کانٹا تھا۔ اس لیے کہ رولٹ ایکٹ کی رپورٹ کے مطابق مدرسہ نظارۃ المعارف کے قیام سے مقصود ہندوستانی مسلمانوں میں مذہبی ولولہ اور جنگی جوش پیدا کرنا اور ان کو فریضہ جہاد کی ادائیگی پر آمادہ کرنا تھا اس رپورٹ کے مطابق حضرت مولانا محمود الحسن کا اصل پروگرام یہ تھا کہ اسلامی طاقتوں کا ہندوستان پر زبردست حملہ ہو اور ہندوستانی مسلمان اندرونی بغاوت سے اسے تقویت پہنچائیں" اور یہ بات کچھ غلط بھی نہ تھی۔ مذکورہ ہر دو مدرسوں کے قیام کے پس منظر میں شیخ الہند اہم کردار ادا کر رہے تھے مولانا عبیداللہ سندھیؒ اور مولانا احمد علیؒ ان کے دست راست

تھے، دہلی مرکز تھا۔ اس کی شاخیں دور دراز کے دیہات تک پھیلا دی گئیں تبلیغی جماعتیں منظم کی گئیں جو قریہ بہ قریہ پیدل سفر کر کے مسلمانوں کو اپنے مشن سے آگاہ کر کے آنے والے وقت کے لیے تیار کرتیں آگرہ اور اس کے گرد و نواح میں جن تین علماء کو تعینات کیا گیا ان میں مولانا احمد علیؒ سر فہرست تھے ان تبلیغی جماعتوں نے مختصر سے عرصے میں دین کی اشاعت و تبلیغ کا نہایت مؤثر طریقے سے کام انجام دیا

تحریک ریشمی رومال

اب حضرت مولانا احمد علیؒ کی عمر چھبیس سال ہو چکی تھی اور یہیں سے ان کی زندگی کے اہم دور کا آغاز ہوتا ہے۔ انگریزوں نے ۱۹۱۲ء میں بلقان کے عیسائیوں کو ترکوں کے خلاف اکسایا۔ یورپ کی تمام استعمار پسند طاقتیں انگریزوں کا ساتھ دے رہی تھیں ادھر مولانا محمود الحسن کی تحریک کام کر رہی تھی ہندوستانی مسلمان اپنے ترک بھائیوں کو کیسے نظر انداز کر سکتے تھے اسی واقعے کے اگلے سال کانپور کی مسجد کی شہادت کا حادثہ رونما ہوا۔ مسلمان اپنے ناموس کی حفاظت کے لیے ڈٹ گئے۔ انگریز کے خلاف جہاد کا منصوبہ بنا۔ مولانا محمود الحسن کی قیادت میں آزاد حکومت کے قیام پر غور ہوا۔ دہلی میں نوجوانوں کو درس جہاد دینے کا پروگرام مرتب ہوا۔ مولانا احمد علیؒ کو دہلی میں قیام کرنے کی ہدایات دی گئیں اور دیکھتے ہی دیکھتے تین سال کی قلیل مدت میں مسلمانوں نے جہاد کی در پردہ تربیت حاصل کر لی۔ مولانا سندھی کو فضا ہموار کرنے کے لیے کابل روانہ کیا گیا اور دہلی میں مولانا احمد علیؒ نے ان کے قائم مقام کے فرائض سنبھال لیے۔ مولانا محمود الحسن عازم حجاز ہوئے اور مولانا میاں محمد انصاری کو سرحدی قبائل میں کام کرنے کے لیے بھیجا گیا۔ غازی انور پاشا اور حجاز کے گورنر نے شیخ الہند کے پروگرام

سے متفق ہو گئے افغانستان اور آزاد قبائل سے اپیل کی گئی کہ وہ انگریزی استعماریت کو ختم کرنے میں ہاتھ بٹائیں۔ ان دنوں شیخ الہند کی تحریک اور مختلف اسلامی ممالک کے مابین تمام تر خفیہ خط و کتابت زرد ریشمی رومالوں پر ہوتی تھی تحریک کے اہم کارکنوں میں خفیہ رپورٹ کے طور پر اس قسم کے ریشمی رومالوں کا اکثر تبادلہ ہوتا رہتا تھا۔ چنانچہ ایسی ہی ایک رپورٹ جس میں آزاد حکومت کی تشکیل کا مفصل منصوبہ تحریر تھا اور شیخ الہند کو حجاز بھیجی جا رہی تھی پکڑی گئی اور اس طرح اگست ۱۹۱۶ء میں تمام سرگرمیاں منکشف ہو گئیں مؤلف "مرد مومن" نے مولانا حسین احمد مدنی کی تصنیف "نقش حیات" کے حوالے سے مزید لکھا ہے کہ "رولٹ کمیٹی" کی رپورٹ کے مطابق مولانا عبید اللہ کے خط میں حزب اللہ کا مرتب و مکمل نقشہ تھا۔ اس فوج کا مرکز مدینہ میں قائم ہونا اور مولانا محمود الحسنؒ کو اس کا سالار اعلیٰ بننا تھا۔

گرفتاریاں

بہر طور تحریک کے طشت از بام ہونے سے وسیع پیمانے پر گرفتاریاں ہوئیں مولانا محمود الحسنؒ (حجاز) حضرت شاہ سید تاج محمود امروٹیؒ (ضلع سکھر) حضرت دین پوریؒ (خانپور) مولانا احمد علیؒ (دہلی) اور دیگر رفقاء کار نظر بند کر دیئے گئے مقدمے کے دوران مولانا احمد علیؒ کو شملہ، جالندھر اور لاہور میں قید رکھا گیا۔ بالآخر انجام کار ضمانت پر رہا کر دیئے گئے اور پھر لاہور ہی میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ قید و بند کے ایام میں انگریز حاکموں اور ان کے ہوا خواہوں نے مولانا کو طرح طرح کی تکلیفیں پہنچائیں لیکن وہ اپنے عہد پر قائم رہے اور کوئی مصیبت ان کے پائے استقلال میں لغزش نہ پیدا کر سکی مصائب و آلام کے اس ناگفتہ بہ دور میں بھی مولانا اپنے تبلیغی مشن کو نہ بھولے اور

انہوں نے بازار سریانوالہ کی ایک چھوٹی سی مسجد سے درس قرآن مجید کا آغاز کیا۔ رفتہ رفتہ سامعین کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا۔ آپ نے درس فاروق گنج کی مسجد میں منتقل کردیا اور بعد میں مسجد لائن سبحان خاں شیرانوالہ دروازہ میں درس دینے لگے مولانا رزق حلال کے بارے میں بڑی حساس طبع رکھتے تھے یہی وجہ تھی کہ عسرت کے ایام میں بھی صابن بنا کر اور عربی کتب کی کتابت کی تصحیح کر کے روزی کماتے تھے کسی سے کوئی نذرانہ قبول نہ کرتے تھے۔

تحریک خلافت

۱۹۱۸ء میں فریضہ حج پہلی بار ادا کیا۔ واپسی پر تحریک خلافت شروع ہو چکی تھی اور برصغیر کے مسلمان خلافت کے تحفظ کے لیے ہر قسم کا ایثار کرنے کا تہیہ کر چکے تھے وہ افغانستان ہجرت کرنے لگے۔ مولانا بھی پنجاب کا ایک قافلہ لے ہجرت کر گئے کابل میں مولانا عبیداللہ سندھیؒ پہلے ہی موجود تھے انہوں نے انگی رہائش کا بندوبست کردیا ابھی کابل میں قیام کو تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ افغانستان اور انگریزوں کے درمیان ایک معاہدے کی رو سے تمام مہاجرین کو ہندوستان واپس آنا پڑا آخر مولانا احمد علیؒ بھی ۱۹۲۰ء میں لاہور لوٹ آئے۔ اور پھر درس و تدریس کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ تقریباً پانچ سال بعد تفسیر قرآن لکھنے کا شوق پیدا ہوا تو یکسوئی کیلئے واہ چلے گئے اور دو سال کے مختصر عرصے میں یہ عظیم کام پایۂ تکمیل کو پہنچا آپ جس طرح انگریز کی لادینیت کے خلاف اسلامی انقلاب کے زبردست داعی اور مبلغ تھے اسی طرح روحانیت میں بھی آپ کا مقام بلند تھا آپ کی روحانی تربیت میں جو عوامل کار فرما تھے ان میں اصلاح قلب کو بنیادی حیثیت حاصل ہے لیکن اوقات ایسا بھی ہوا

کہ کوئی شخص بیعت کے لیے آیا مگر آپ نے انسے اس وقت تک بیعت نہ کیا جب تک اس کے قلب کو موافق نہ پالیا بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت شیخ الاسلام سید حسین احمد مدنیؒ دورہ حدیث کے اختتام پر فارغ التحصیل علما کو دستار فضیلت بندھواتے وقت فرمایا کرتے تھے "علم کی تحصیل آپ نے آٹھ سال دیوبند میں رہ کر کی لیکن تکمیل آپ کی لاہور رجاکر حضرت مولانا احمد علیؒ کے دورہ تفسیر میں ہوگی" اور یہ اسی عظمت کا نتیجہ ہے کہ آپ کے تلامذہ میں جہاں ایک طرف علامہ سید ابوالحسن ندوی مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلما لکھنو، مولانا محمد طاہر قاسمی (مرحوم) نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند اور حضرت مولانا کفیل احمد بجنوری استاد مدرسہ انصاریہ کلکتہ ایسے ممتاز علماء نظر آتے ہیں۔ وہیں دوسری طرف علامہ علاؤالدین صدیقی صدر شعبہ علوم اسلامی پنجاب یونیورسٹی، ڈاکٹر سید محمد عبداللہ پرنسپل اورنٹیل کالج لاہور ایسے مسلم ماہرین تعلیم بھی ملتے ہیں۔ حضرت احمد علیؒ ذکر الٰہی پر خاص زور دیا کرتے تھے ان کا ایمان تھا کہ نماز تو قضا ہو سکتی ہے یعنی جب بندہ چاہئے اللہ کی بارگاہ میں حاضری دے کر پچھلے گناہ معاف کروالے۔ مگر سانس کی قضا نہیں ہو سکتی۔ اس لیے کہ جو سانس ایک دفعہ جا چکا ہے اس کا دوبارہ لانا مشکل ہے جب آئے گا دوسرا ہی آئے گا اور اسی لیے اہل اللہ فرمایا کرتے ہیں جو دم غافل سو دم کافر"

آئین جوانمرداں

اقبالؒ نے جوانمردوں کے آئین کے لیے حق گوئی و بے باکی کی جو شرط عائد کی تھی حضرت مولانا کے نزدیک اسے ایمان کا درجہ حاصل تھا۔ وہ جس بات کو حق سمجھتے اس کے اظہار میں پوری جرأت سے کام لیتے اور جو بات ان کے نزدیک معیوب ہوتی اس

سے انکار میں کبھی تامل نہ کرتے ۱۹۳۹ء میں جب مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے ہندوستان واپس آکر علمائے ہند کو اپنے خاص انقلابی پروگرام سے آگاہ کیا تو علماء نے اسے قابل عمل قرار دینے سے انکار کر دیا اس انکار کرنے والوں میں مولانا احمد علیؒ بھی شامل تھے ذرا اس عقیدت کا تصور کیجئے جو آپ کو مولانا سندھیؒ سے تھی اور پھر اس جرئت انکار پر بھی غور فرمایئے اسی قسم کا ایک اور واقعہ خاکسار تحریک سے متعلق ہے حکومت نے خالصتاً ذاتی اغراض کے تحت کچھ علماء سے خاکسار تحریک کے بانی کو کافر قرار دینے کا فتویٰ حاصل کر لیا تھا اور وہ مولانا احمد علیؒ سے بھی ایسا ہی فتویٰ چاہتی تھی لیکن انہوں نے بانی تحریک کے عقائد سے اختلاف کے باوجود فتویٰ دینے سے یہ کہہ کر انکار کر دیا تھا۔ کہ چائے کی ایک پیالی پر احمد علیؒ کا ایمان نہیں خریدا جا سکتا۔"

آخر ۲۳ فروری ۱۹۶۲ء کی رات کو اللہ کا یہ بندہ جسے روباہی سے کوئی سروکار نہ تھا۔ علالت کے باوجود بارگاہ ایزدی میں فریضہ نماز ادا کرنے کے لیے سجدہ ریز ہوا اور پھر نہ اٹھا جو اس کی بارگاہ میں جھکتا ہے وہ اسے اپنے جوار رحمت میں جگہ دیتا ہے اور بے شک اللہ ہر جھکنے والی چیز کو عزیز رکھتا ہے مولانا کی وفات کے ساتھ ہی قرآن کریم کے انقلابی مفسرین کا وہ سلسلہ ختم ہو گیا جس کا آغاز حضرت سید احمد علیؒ بریلویؒ اور شاہ اسمٰعیل شہید نے کیا تھا۔ لیکن پھول کھلتے ہیں کھل کران کی پتیاں صحن باغ میں بکھر جاتی ہیں بیج خشک ہو کر کیاریوں میں گر پڑتے ہیں۔ جہاں سے موسم بہار کا آغاز ہوتے ہی نئے پودے اگتے ہیں اور سرشاخ تازہ پھول مسکراتے ہیں کہ یہی قانون قدرت ہے مضمون کی تمام تر معلومات "مرد مومن" سے اخذ کی گئی ہیں۔

(شکریہ) ماخوذ کومستان

علالت اور رحلت

قبر مبارک سے جنت کی خوشبو، دار عبدالجمیل لاہور،

آخری ایام مولانا احمد علی رح کی ساری زندگی دین حق کی اشاعت خلق اللہ کی خدمت، عبادت الٰہی اور شب بیداری کرتے ہوئے گذری۔ اس کی جسمانی صحت درست رہنا مشکل ہے حضرت کی حیات مبارکہ کے آخری ایام میں فالج اور ذیابیطس جیسے امراض میں مبتلا تھے لیکن اس کے باوجود حضرت کا چہرہ مبارک نورانی تھا۔ ٹانگوں کو ہاتھ لگانے سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ کسی بچے کی ٹانگیں ہیں مگر جب دربار خداوندی میں قیام کا وقت آتا تو جوانوں سے زیادہ سرد قدم ہو جاتے تھے اور اکثر اوقات نوافل بھی کھڑے ہو کر ادا فرماتے تھے مرض آہستہ آہستہ بڑھتا رہا مگر اس کی زیادتی نے تعارب کے عاشق کو پریشان نہیں کیا بلکہ اور زیادہ وہم کر دیا اکثر فرمایا کرتے تھے ۔

میں نے اللہ تعالیٰ سے جو مانگا وہ مجھے دیا ہیں اس سے راضی ہوں جب بلائے میں حاضر ہوں ۔

کئی سالوں سے کھدر کا کفن سلوا کر رکھا پڑا تھا قبر کی جگہ صاحبزادہ صاحب اور حاجی دین محمد صاحب کو بتادی تھی بلکہ جب آخری عمرہ کرنے کے لیے تشریف لے جا رہے تھے تو مندرجہ ذیل ارشاد فرما گئے تھے ۔

"میں ۱۰ جولائی بروز جمعرات صبح کے وقت عمرہ کر کے جا رہا ہوں ۔ ۱۲ جولائی کو جمعہ کراچی پڑھوں گا ۔ حکومت نے مجھے اجازت دے دی ہے میں پہلے سے جانے والا تھا ۔ اچانک میری ایڑی میں سخت درد ہونے لگا جس کی وجہ سے میں چار دن تک

چل پھر نہ سکا اور جو ٹکٹ میں نے خرید رکھا تھا۔ واپس کر دیا۔ موت کا علم نہیں کہ کب آئے پانچ سال ہو گئے ہیں۔ میں نے درزی کو بلا کر اپنے باپ کا کفن تیار کرا لیا تھا ہر وقت موت کے لیے تیار رہوں۔ اگر مکہ معظمہ میں فوت ہو گیا تو یہ نصیحت کئے جاتا ہوں کہ میرے مرنے کے بعد کسی بدعتی یا قبر پرست پیر کے پیچھے نہ لگ جانا اور گمراہ نہ ہو جانا بلکہ کسی متبع سنت اور اصلاح یافتہ عالم کی صحبت اختیار کرنا۔ یہ میں اس لیے کہہ رہا ہوں کہ سارے مولوی اور پیر ہدایت یافتہ نہیں ہوتے بلکہ اکثر گمراہ ہوتے ہیں

حضرتؒ نے آخری دنوں میں جو خطبہ دیا اس میں آپ کے وصال کی اطلاع کی جھلک صاف نظر آتی تھی۔ آپ نے جنوری اور فروری ۱۹۶۲ء میں آنے والے اکثر خدام سے ایسے کلمات فرمائے تھے جن سے معلوم ہوتا تھا کہ اب آپ لقاء رب کے لیے پا برکاب (ہیں)

حضرتؒ نے حاجی دین محمد صاحب، لاہور کو وصال سے دو تین دن پہلے فرمایا اب میں آپ کے پاس خطبہ لکھنے کے لیے نہیں کروں گا۔

اسی جمعہ مبارک کو آپ کے خادم خاص مولانا محمد صابر صاحب نے سسرال جانے کی اجازت چاہی تو آپ نے خلاف معمول نہ دی۔

رحلت کی پیشین گوئیاں

ادھر عالم بالا میں آپ کی رحلت کا اعلان ہو چکا تھا۔ چنانچہ وہ افراد قدسیہ جو اس کرۂ ارضی پر رہتے ہوئے بھی بحمدہ وباذنہ تعالیٰ عالم بالا کی خبروں سے واقف ہوتے ہیں ان میں سے بعض نے اس کی اطلاع دی تھی۔ بہاتیکے کی جامع مسجد کے خطیب مفتی ابوالشعار کا بیان ہے کہ ہمارے ہاں ایک مجذوب نے محویت اور جذب کے عالم میں چند باتیں فرمائیں۔ اس نے استغراق و انہماک مجذوبانہ میں پکار کر کہا کہ

لوگو! تمہارا خیال ہے کہ لاہور میں صرف ایک علی ہجویری علیہ الرحمۃ ہیں۔ آؤ اگر زندہ علی ہجویری دیکھنا ہو تو شیرانوالہ دروازہ میں حضرت شیخ التفسیر مولانا احمد علیؒ صاحب کو دیکھو۔ مگر ان کا وقت تھوڑا سا رہ گیا ہے"۔

اسی طرح حضرتؒ کے وصال سے کچھ دن پہلے مکہ مکرمہ میں ایک باخدا بزرگ نے حضرتؒ کے ایک معتقد عبدالرحمٰن صاحب سکنہ نوشہرہ کو جو حج کے لیے گئے ہوئے تھے آپ کی رحلت کی اطلاع دی۔ عبدالرحمٰن صاحب کا بیان ہے کہ ۱۹ فروری ۱۹۶۲ء بروز سوموار بعد از شام عشاء ہم لوگ باب العمرہ سے باہر ایک ہوٹل میں چائے پی رہے تھے کہ ایک شخص آکر بیٹھ گیا باتوں ہی باتوں میں ہم سے دریافت کرنے لگا کہ آپ کا تعلق کس ہستی سے ہے؟ میں نے شیخ التفسیر حضرت لاہوری کا نام لیا تو اس نے کہا کہ ان کا تو انتقال ہو گیا میں نے بڑی حیرت سے پوچھا۔ آپ سے کس نے کہا؟ ریڈیو میں آیا یا کسی نے اطلاع دی" اس نے کہا "مجھے کسی نے بتایا ہے" میں نے بہت پوچھا کہ کس نے بتایا مگر اس نے نہ بتایا۔ طبیعت از حد بے چین و مغموم ہوئی، دوسرے دن باوجود کوشش کے کسی جگہ سے اطلاع نہ مل سکی۔ ہم سمجھے کہ یہ خبر درست نہیں ہے ۲۳ فروری کو جمعۃ المبارک مکہ معظمہ میں پڑھ کر ۲۴ فروری بروز ہفتہ بعد العصر مدینۃ المنورہ پہنچے اگلے دن صاحبزادہ مولانا حبیب اللہ صاحب سے ملے ان سے بھی کچھ معلوم نہ ہو سکا مگر دوسرے دن انہوں نے اطلاع دی کہ حضرت کا انتقال ہو گیا ہے۔

سفر آخرت:۔ حضرت مذظلہ ۲۳ فروری بروز جمعہ ۱۰ بجے اپنے مکان سے

حسب معمول مسجد لائن والی میں خطبہ جمعہ کے لیے تشریف لائے حضرت قدس ایک عرصہ سے علیل اور نحیف ہونے کے باعث گھر سے مسجد تک کار یا تانگہ میں تشریف لایا کرتے تھے مگر اس دن آپ نے اپنے صاحبزادہ مولانا عبید اللہ انور صاحب کو سواری لانے سے منع فرمایا۔ مولانا انور صاحب کی خوشی اور حیرت کی انتہا نہ رہی۔ جب انہوں نے حضرت شیخ وقت کو جوانی کی سی تیز رفتاری کے ساتھ مسجد کی طرف روانہ ہوتے دیکھا۔ اور بہت خوش ہوئے۔

مولانا انور صاحب حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کو حجرہ میں چھوڑ کر خود کسی اور جگہ خطبہ جمعہ ارشاد فرمانے چلے گئے۔

پونے بارہ بجے حضرت شیخ کے چھوٹے صاحبزادے مولانا حافظ حمید اللہ صاحب لباس تبدیل کرانے کے لیے حضرت اقدس کی خدمت میں پہنچے تو آپ کی طبیعت ناساز تھی، پیٹ میں درد تھا اور متلی وغیرہ کی شکایت تھی چنانچہ حضرت اقدس کی ناسازی طبع کے پیش نظر مولانا حافظ حمید اللہ صاحب ہی کو نماز جمعہ کا خطبہ ارشاد فرمانا پڑا لہٰذا جمعہ کے فوراً ہی بعد ڈاکٹر کیپٹن چودھری صاحب جو حضرت کے عشاق میں سے ہیں، شیخ العالم کی خدمت میں پہنچے۔ انہوں نے طبی امداد پہنچائی اور کار کے ذریعہ حضرت شیخ کو گھر لے گئے، شام تک انہوں انہوں نے تین انجکشن لگائے لیکن حالت نہ سنبھل سکی۔ وہ متعدد ڈاکٹروں سے بھی مشورہ کرتے رہے لیکن افاقہ نہ ہوا۔ شام کو مشہور ڈاکٹر محمد یوسف صاحب بھی تشریف لائے اور حضرت اقدس کو ہسپتال لے جانے کا مشورہ دیا۔ لیکن اللہ کی حکمت اس کے برعکس تھی۔

یہ بات خاص طور پر قابلِ ذکر ہے کہ حضرت اقدس نے مغرب تک کی تمام نمازیں ہوش کی حالت میں ادا کیں۔ اگرچہ بیہوشی بھی طاری ہوتی رہی مگر نماز کے وقت ہوش آجاتا چونکہ طبیعت پر فطری طور پر صوم و صلوٰۃ کا غلبہ تھا اس لیے بے ہوشی کی حالت میں بھی توجہ نماز اور ذکرِ الٰہی کی طرف رہی۔ اسی دن رات کے ۹½ بجے آپ نے نمازِ عشاء کی نیت باندھی اور سجدے کی حالت میں آپ کا وصال ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ط

اللہ تعالیٰ نے آپ کی اس دیرینہ دعا کو قبول فرما لیا کہ اے اللہ! جب تک تیری دنیا میں زندہ ہوں۔ خدمتِ دین کرتا رہوں اور میری کوئی نماز قضا نہ ہونے پائے۔ ایک نماز پڑھنے کے بعد دوسری نماز کا وقت ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے حضور پہنچ جاؤں۔ چنانچہ جمعرات تک حضرتؒ نے اپنے تمام مشاغل معمول کے مطابق سرانجام دیئے۔ جمعہ کو روزہ رکھا اور تمام فرائض کی ادائیگی کے بعد اپنے مولیٰ سے جا ملے۔

بارہ بجے شب آپ کے صاحبزادوں مولانا عبید اللہ انور صاحب اور حافظ حمید اللہ صاحب نے آپ کو آخری غسل دیا اور مشتاقانِ زیارت کی خواہش کے پیشِ نظر حضرتؒ کے مکان واقع خضری محلہ اندرون شیرانوالہ گیٹ کے نچلی منزل کے صحن میں حضرت کے وجودِ اقدس کو زیارت کے لیے رکھ دیا گیا

حضرتؒ کی نصیحت تھی کہ جمعہ و عیدین کے علاوہ درس کا ناغہ نہ کیا جائے۔ چنانچہ سعادت مند صاحبزادوں نے گھر میں باپ کا جنازہ رکھ کر تڑپتے ہوئے دل اور اشکبار آنکھوں سے اس نصیحت پر عمل کیا اور درسِ قرآن حکیم دیا۔ جب قرآن پاک

کھولا گیا تو جس آیت پر نظر پڑی وہ تھی کل نفس ذائقۃ الموت حاضرین درس کی سسکیاں فزوں تر ہوتی جا رہی تھیں۔ آخر جب درس کا اختتام ہوا تو حاضرین درس بے تابانہ اپنے اس خطیب کو ایک نظر دیکھنے کے لیے دوڑے جس کی آواز سے ان کی سماعت محروم ہو چکی تھی۔

طلوع آفتاب کے ساتھ ساتھ یہ خبر جنگل میں آگ کی طرح پھیل گئی۔ اور اخبارات نے ہر شہر اور ہر قریہ کو اس عظیم المرتبت انسان کی رحلت سے باخبر کر دیا۔ چنانچہ عقیدت مند ہوائی جہازوں، ریل گاڑیوں اور موٹروں کے ذریعے جوق در جوق شیرانوالہ دروازہ (لاہور) مردوں اور عورتوں کے گروہ باری باری اپنے محبوب شیخ کی زیارت سے مشرف ہوتے رہے آخر جب مکان اتنے بڑے ہجوم کا متحمل نہ ہو سکا تو ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس شیخ ابرار احمد صاحب نے حضرت کے صاحبزادوں سے اجازت لے کر جسد اطہر کو مکان کے باہر گلی میں رکھوا دیا۔ اور اوپر شامیانے لگا دیئے گئے صبح سے لے کر ½ ۲ بجے تک مشتاقان دید اپنے شیخ کی آخری جھلک دیکھتے رہے۔

بعد از نماز ظہر علمائے کرام جمع ہوئے تو حضرتؒ کی نماز جنازہ کے پہلے امامت کے انتخاب کا سوال اٹھایا گیا بیشتر علمائے کرام نے یہ تجویز پیش کی کہ چونکہ حضرت نے اپنے منجھلے صاحبزادے مولانا عبید اللہ انور کو اپنا قائم مقام اور اپنے بعد امیر انجمن بنایا تھا اس لیے وہی نماز پڑھائیں۔

اس فیصلے کے بعد جنازہ اٹھایا گیا۔ بے پناہ ہجوم کی وجہ سے چارپائی سے باندھنے کے لیے تیس تیس گز لمبے بانس لائے گئے مکان سے مسجد تک جنازہ

ویسے ہی لایا گیا کیونکہ گلی سے طویل بانس باندھ کر جنازہ نکلنا ممکن نہ تھا۔ مسجد کے نزدیک چارپائی سے بانس باندھ دیئے گئے، لوگوں کے خواہش کے پیش نظر حضرت کا رُخ انور کھلا رکھا گیا تھا تاکہ کوئی شخص آپ کی آخری جھلک سے محروم نہ رہ جائے

اس کے بعد آپ کا جنازہ شیرانوالہ گیٹ سے باہر سرکلر روڈ پر لایا گیا۔ جوں جوں جنازہ آگے بڑھ رہا تھا، توں توں ہجوم میں بھی اضافہ ہو رہا تھا ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس نے، جو پولیس کی بھاری جمعیت کے ساتھ جنازے کے جلوس کے ہمراہ تھے، یہ پیشکش کی کہ ہم ایک کھلی کار منگوائے دیتے ہیں حضرت کی چارپائی اس میں رکھ دی جائے مگر بانس بدستور اس کے ساتھ بندھے اسی طرح تمام لوگ اس بانس کو چھونے کی سعادت حاصل کر سکیں گے۔ حافظ حمید صاحب نے کہا کہ حضرت اقدس قوم کی امانت تھے۔ اگر قوم اس کے لیے تیار ہے تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں لیکن لوگوں نے اس بات کو گوارا نہ کیا۔

حضرت کا جنازہ سرکلر روڈ پر براستہ دہلی گیٹ، اکبری گیٹ، شاہ عالمی گیٹ اور انارکلی قبرستان میانی صاحب کی طرف بڑھتا گیا یہاں سے پولیس کی ایک جیپ جنازے کے آگے آگے چلا دی گئی تھی تاکہ ہجوم کی وجہ سے جنازہ رکنے نہ پائے اور آگے بڑھتا رہے۔ پولیس نے شیرانوالہ سے یونیورسٹی گراؤنڈ تک ٹریفک بند کر دیا تھا۔ حدِ نگاہ تک انسانوں کا سیل رواں نظر آتا تھا۔ در و دیوار مکانوں اور دکانوں کی چھتیں عورتوں اور بچوں سے اٹی پڑی تھیں عورتیں چھتوں سے حضرتؒ کے جنازے پر پھول برسائیں۔

کم و بیش ساڑھے چار بجے کے قریب جنازے کا جلوس یونیورسٹی گراؤنڈ میں

پہنچا۔ تقریباً ڈیڑھ دولاکھ انسانوں نے نماز جنازہ شرکت کی سعادت حاصل کی۔
نماز کے بعد گروہ عاشقاں اپنے محبوب شیخ کو کندھوں پر اٹھائے قبر پر پہنچا اور اٹھارہ رمضان المبارک کی افطاری سے دس منٹ قبل حضرت مولانا عبد اللہ صاحب درخواستی مولانا عبید اللہ انور، حافظ حمید اللہ صاحب اور چند دیگر متعلقین نے حضرت قطب عالم مولانا غلام محمد صاحب دین پوری قطب الاقطاب حضرت مولانا سید تاج محمود صاحب امروٹی رحمۃ اللہ علیہ کی اس مشترکہ امانت کو لحد میں اتار دیا اس طرح غروب آفتاب کے ساتھ علم و عرفان کا یہ آفتاب بھی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

اک آسرا تھا دید کا باقی سو ہٹ گیا
سنتے ہیں بند روزنِ دیوار کر دیا

کفن میں ملبوس وجود مبارک بھی نظروں سے اوجھل ہو گیا تو سسکیوں نے فضا کو گھیر لیا۔ آہ و فغان بلند ہونے لگے۔ ہر شخص ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کرتا تھا مگر اپنی آنکھوں اور دل پر اس کو اختیار حاصل نہ تھا۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ فضا اور ہوا شریک رنج و غم ہیں۔ بادل گرج کر اور بجلی چمک کر سلامی دے رہی تھی۔ آخر کارکنوں نے تیزی سے مٹی ڈالنا شروع کر دی۔ حضرت کے مقربین جو قبر کے نزدیک کھڑے تھے دور کھڑے عشاق کی التجاؤں کا مرکز بنے ہوئے تھے وہ لوگ ان سے مٹی کے ڈھیلے مانگ رہے تھے تاکہ ان کے ہاتھوں سے چھوئی ہوئی قبر پر ڈالی جاسکے۔
جب قبر کا تعویذ تیار کیا جا رہا تھا تو روزہ افطار کرنے کا سائرن سنا گیا۔ بہت سی

حضرات افطاری کے لیے اشیاے خوردنی ساتھ لائے ہوئے تھے جن کو وہاں تقسیم کیا گیا قبر کی تیاری کے بعد حضرت مولانا عبداللہ صاحب درخواستی نے دعا فرمائی اور ہجوم آمین کہتا گیا دعا کے بعد مجمع گروہوں میں ہٹ کر نماز مغرب کی ادائیگی کے لیے رخصت ہو گیا۔

مزار مبارک سے جنت کی خوشبو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی مرقدِ انور (قصبہ خارتنگ علاقہ سمرقند) سے خوشبو کا آنا متواتر ہے۔ آج بارہ سو سال سے وہاں کی معطر فضا زائرین کے ایمان کو تازہ کر رہی ہے۔ خداوند قدوس نے اپنی رحمت کا اظہار امام الاولیاء مولانا احمد علی صاحب قدس سرہ العزیز کی آرام گاہ پر بھی فرمایا۔ لاکھوں انسانوں نے اس خوشبو کو نہ صرف محسوس کیا بلکہ تجزیہ اور تجربہ کے بعد یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ واقعی مولانا کی قبر اور اس کے ارد گرد سے خوشبو آتی ہے۔

اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں، ہر قبر اور ہر اس جگہ سے جہاں کسی انسان کا بدن اصلی شکل میں، ذراتِ خاکی کی شکل میں یا مادہ سیال کی شکل میں پڑا ہو۔ وہاں سے بدبو یا خوشبو آتی ہے۔ روحانی قوت سے مشرف حضرات اس کو محسوس کرتے ہیں، اس لیے کہ موت فنا کاملہ کا نام نہیں بلکہ انتقال مکانی کا نام ہے۔

محدثِ عصر علامہ انور شاہ کاشمیری نے فرمایا: ع

موت ایں طرف بود زیستن آں طرف

اقبال مرحوم نے اسی کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا: ؎

فرشتہ موت کا چھوتا ہے گو بدن تیرا ۔۔۔ ترے وجود کے مرکز سے دور رہتا ہے

چنانچہ قرآن کریم نے موت کے فوراً بعد انسانی حیاتِ قبر کو بیان کرتے ہوئے فرمایا

فاما ان کان من المقربین ، فروح وریحان ۵ وجنت نعیم ہ و اما ان کان من المکذبین الضالین ، فنزل من حمیم

ترجمہ: پھر جب قیامت آئے گی) اگر وہ مقربین میں سے ہے تو (اس کے لیے) راحت اور خوشبوئیں اور عیش کے باغ ہیں اور اگر وہ جھٹلانے والے گمراہوں میں سے ہے تو کھولتا ہوا پانی مہمانی ہے۔

جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :۔

القبر روضۃ من ریاض الجنۃ او حفرۃ من حفر النیران (مشکوٰۃ

ترجمہ: قبر یا تو جنت کے باغوں میں سے ایک باغیچہ بن جاتا ہے اور یا جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا بن جاتا ہے۔

آئے دن اخبارات میں ایسے واقعات کثرت سے آتے رہتے ہیں کہ فلاں جگہ قبر سے آگ نکلی اور متواتر کئی دن تک شعلے بلند ہوتے رہے اور فلاں جگہ سے دھوآں نکلتا رہا۔ العیاذ باللہ۔

قبر کا جنت کے باغوں میں سے باغ بن جانا بھی یقینی ہے جس کا مشاہدہ حضرت کے مزار پُر انوار سے ہو رہا ہے جس وجود پاک نے ستراسی سال خداوند قدوس کی طاعت میں گزارے جو تزکیہ نفس کے اس بلند مقام پر فائز ہوا جس کی مثال اسکے معاصر دل میں نہ مل سکی اس کی تربت سے خوشبو کا آنا کوئی تعجب کی بات نہیں ۔

قطب الارشاد مولانا رشید احمد گنگوہی قدس اللہ الرحیم نے ارشاد فرمایا :۔

" و گفتہ اند کہ ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ تعالیٰ نوری از ایشاں بارہا نور دیدہ شدہ و

بسیار خواص و عوام از مقابر صلحا و شہدا نور مرتفع می بینند و ایں از نفس زاکیہ ایشا نست کہ چوں کار نفس عالی بود نور او در بدن سرایت می کند و طبع مزاج بدن می گردد و باز اگر نفس از بدن مفارق ہم می شود تا ہم آں جسد منبع انوار و منقذ آں می باشد چنانچہ در حالت حیات بقاء نفس بود" (ص ۸۶ از کتاب مداد السلوک مولفہ حضرت قطب الارشاد)

یعنی چونکہ اس دنیا میں اطاعتِ خداوندی اور تزکیۂ نفس کے عالی مقام پر فائز رہتا ہے وہ اس جہان فانی سے چلے جانے کے بعد بھی انہی صفات کے ساتھ موصوف رہتے ہوئے مطلع انوار بن جاتا ہے۔ اس لیے اکثر اولیاء اللہ کے مزارات سے "نور" کا مشاہدہ عام و خاص لوگوں کو ہوتا رہتا ہے۔

انسان زندگی میں جن اعمال کا پابند رہا ہو موت کے بعد اس کی قبر سے وہ اعمال برزخی شکل میں ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔ قرآن کریم نور ہے تو عامل بالقرآن کے مزار پر انوار سے نور کا ظاہر ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں حدیث میں عامل بالقرآن کو اس نارنگی سے تشبیہ دی گئی ہے جس کا مزہ بھی لذیذ اور خوشبو بھی دل پسند ہوتی ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے۔ کہ ایک صحابی نے ایک قبر سے سورہ ملک کو اتنی دفعہ سنا کر سن سن کر حفظ کر لی۔ (ترمذی)

مولانا عبید اللہ صاحب انور کی دستار بندی

یادگار سلف، قدوۃ السالکین زبدۃ العارفین حضرت مولانا عبد الہادی صاحب دامت برکاتہم سجادہ نشین دین پور شریف (خلف اکبر حجۃ اللہ فی الارض شیخ المشائخ غوث الاغوث حضرت خلیفہ غلام محمد صاحب دین پوری قدس سرہ العزیز) نے سلطان الاولیاء، قطب الاقطاب شیخ التفسیر حضرت

مولانا احمد علی صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی وصیت اور سلسلہ قادریہ راشدیہ کی روایت کے مطابق شیخ التفسیر علیہ الرحمۃ کے فرزند ارجمند حضرت مولانا عبید اللہ انور صاحب مدظلہ العالی کو ۱۹ مارچ ۱۹۶۲ء کو بعد از نماز فجر باقاعدہ پگڑی بندھوائی اور حضرت اقدس علیہ الرحمۃ کے متوسلین کو جملہ معاملات اور منازل سلوک میں رہنمائی حاصل کرنے کے لیئے آپ سے رجوع کرنے کی ہدایت فرمائی ۔

سلسلۂ قادریہ راشدیہ میں دستار بندی کا طریق شیخ المشائخ غوثِ زمان حضرت مولانا محمد راشد صاحب قدس سرہٗ کے وقت سے چلا آتا ہے ۔

جذباتِ عقیدت

حضرت شیخ لاھوری رحمۃ اللہ علیہ

مدح میں اس کی قلم میرا رواں ہوتا ہے
جس پہ اس در کے شبلی کا گماں ہوتا ہے

جھوٹ بولوں تو گنہگار کہ اسکا دیدار
باعث راحت، راحت جاں ہوتا ہے

اس کے چہرے پہ ہے یوں نور یقیں کا جیسے
صبح سورج کے نکلنے کا سماں ہوتا ہے

اس کا ہر کام ہے سنت سے محبت کا ثبوت
اس کے ہر قول میں قرآں کا بیاں ہوتا ہے

وہ مفسر، وہ محدث، وہ مبلغ، وہ فقیہہ
لفظ لفظ اس کا، جوہر سے گراں ہوتا ہے

دن کو تبلیغ وہدایت میں ہے مصروف عمل
شب کو سجدوں میں وہ تسبیح کناں ہوتا ہے

عرش سے ہوتا ہو جس طرح فرشتوں کا نزول
اس کی مجلس میں وہ رحمت کا سماں ہوتا ہے

اے عبا پوش مرے حال پر کر نظر کرم
یہ جوانی کا سماں آفتِ جاں ہوتا ہے

وہ ہے درویش مگر اسکا جو رتبہ ہے امین
بادشاہوں کی بھی قسمت میں کہاں ہوتا ہے

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی

کا

مختصر تعارف!

حضرت شاہ ولی اللہ رح کا اصلی نام قطب الدین احمد ولد شاہ عبدالرحیم تھا ۴ر شوال ۱۱۱۴ھ مطابق ۱۷۰۲ء دہلی کے قریب پیدا ہوئے ولی اللہ کا نام آپ کے والد ماجد نے ان میں نیک اوصاف دیکھ کر یہ نام رکھا تھا۔

سلسلۂ نسب حضرت امیر المؤمنین عمر بن الخطاب سے ملتا ہے۔

علوم ظاہری اپنے والد ماجد سے حاصل کئے تھے وقت کا تقاضا تھا کہ کوئی ایسا مرد مجاہد پیدا ہو جو ملک و ملت میں حالات کے مطابق معقول اصلاح کر کے ان کی خرابی کو دور کر سکے۔

قدرت کو یہ کام شاہ ولی اللہ رح ہی سے لینا تھا۔ اسلئے وہ پیدائشی طور پر ایک غیر معمولی ذہن و ذکاوت کے مالک تھے اور انہوں نے وقت کے حالات کا جائزہ لیتے ہوئے یہ مناسب سمجھا کہ اس دور کی برائیوں بداعمالیوں کی بیخ کنی کیلئے قلمی جہاد شروع کیا جو کہ انہوں نے تاحیات جاری رکھا۔ اس مشن کو حضرت شیخ التفسیر رح نے مکمل کر دیا۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا اصلی جانشین

تحریر بشیر احمد صاحب لاہوری M.A.

حضرت مولنا احمد علی صاحب نور اللہ مرقدہ

حضرت مولانا احمد علی ارفع اللہ مقامہ مفسر قرآن ہی نہیں مجاہد فی سبیل اللہ بھی تھے۔ راقم الحروف کو ان سے گزشتہ ۳۵ سال سے شرفِ تلمذ حاصل ہے اور ان ہی کے انتخاب اور اشارے سے ان کے اُستاذ مکرم و معظم حضرت مولانا عبید اللہ سندھی اعلی اللہ درجاتہ کی جوتیاں سیدھی کرنیکا فخر حاصل ہوا۔ والحمد للہ علی ذالک۔

حضرت مولانا رحمۃ اللہ تعالیٰ دیوبندی مسلک کے اس شجرۃ الذہب کے والے تھے جس کے امام حجۃ اللہ فی الارض حکیم الملت امام ولی اللہ دہلوی تھے۔ ان کی تحریک کے خادموں نے آخری دور میں دیوبند میں درسگاہ قائم کی تو اس کا ایک خاص مقصد اور ایک معین مسلک تھا حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ کے ایما سے مولانا سندھیؒ نے دیوبند میں جمعیۃ الانصار قائم کی۔ اور پھر دہلی میں قرآن حکیم کی حکیمانہ تدریس کے لئے نظارۃ المعارف نام کی درسگاہ قائم کی۔ مولانا احمد علی اعلی اللہ مقامہ نے وہیں تعلیم پائی۔ اور جب، حضرت شیخ الہند کے حکم سے ۱۹۱۵ء میں مولانا کابل تشریف لے گئے۔ تو مولانا

احمد علی صاحب ہی اس کے سربراہ تھے۔ اس کے بعد مولانا سندھی نے مولانا شیخ الہند کے پروگرام کی تکمیل میں جو کچھ کیا اس کے بعض حصوں میں مولانا احمد علی صاحب بھی ان کے شریک رہے۔ اسی لئے حکومت برطانیہ کے معتوب رہے۔ اسی عتاب کا نتیجہ تھا کہ مولانا احمد علی رحمۃ اللہ علیہ عرصے تک لاہور میں نظر بند رہے۔ یہاں انہوں نے نظارۃ المعارف کی طرز پر قرآن حکیم کا حکیمانہ درس شروع کیا جو اتنا مقبول ہوا کہ لاہور کا تعلیم یافتہ طبقہ ان کی طرف کھنچ کھنچ کر آنے لگا رفتہ رفتہ دوسری مساجد میں بھی درس قرآن حکیم کا رواج پڑ گیا۔

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے درس کی خوبی یہ تھی کہ آپ فلسفۂ ولی اللہ کو تشریح قرآنِ حکیم میں اس طرح سمو دیا کرتے تھے کہ مغربی تعلیم یافتہ نوجوان طبقہ اسے اچھی طرح اخذ کر سکتا تھا۔ یہی وہ طرز تھا۔ جسے بقول مولانا سندھیؒ مولانا شیخ الہندؒ نے تدریس حدیث میں اختیار فرما رکھا تھا۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ خاص خاص شائقین کو حجۃ اللہ البالغہ کا درس بھی دیا کرتے تھے جس کے آپ مولانا سندھیؒ کے بعد خاص طور پر ماہر تھے افسوس ہے کہ اب اس کتاب کو پڑھانے والا ہماری نظر میں کوئی نہیں رہا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ان کی وفات سے صرف ایک مفسر قرآن ہی نہیں اٹھ گیا۔ بلکہ حکمت قرآن کا ایک ماہر جاتا رہا۔ جس کی نظیر ملنا محال ہے۔ (مگر کچھ امیدیں حضرتؒ کے جانشین مولانا عبید اللہ انور سے ضرور ہیں)

حقیقت یہ ہے۔ کہ اس دور حکمت اور سائنس کے زعیم امام

ولی اللہ دہلوی ہی تھے جنہوں نے اٹھارہویں صدی عیسوی کے شروع میں جب دُنیا سے مطلق العنان بادشاہت اُٹھنے لگی تھی اور جمہوریت کا آغاز ہونے والا تھا اور جدید سائنس نے مادہ پرستی کے زیر اثر انسانی سیاست انسانی اقتصادیات انسانی معاشریات اور انسانی اخلاقیات کی جڑیں کھوکھلی کرنے کا سلسلہ شروع کر دیا تھا۔ قرآن کریم کی تصریحات اور قرنِ اول کی تشریحات کے مطابق دُنیا کو ایک ایسے فلسفے سے روشناس کرایا جس نے طبیعیات جدیدہ کو بھی شرمندہ کر دیا انہوں نے مادے کی تشریح کی سیاسیات کی بنیاد تاریخ اسلام کے قرن اول کی تعلیمات کے مطابق باہمی مشورے پر رکھی اخلاقیات کی بنیاد الہٰیات سے الگ ہٹ کر قرآنی حکمت پر رکھی اور معاشریات کی ایسی نئی ترجمانی کی جس تک

جدید سوشیالوجی بھی ابھی نہیں پہنچی۔ انہوں نے مادے اور ذات باری میں ایک ایسا سائنٹیفک رابطہ دکھایا جس نے طبیعیات جدیدہ کو بہت سی نئی راہیں سجھا دی ہیں۔ اور سیاسیات کی بنیاد انقلاب پر رکھی ہے اور اس طرح سرمایہ داری سے الگ کر کے اس کے ڈانڈے قرنِ اول سے ملا دیئے ہیں۔

یہ وہ نئی حکمت تھی۔ جس کی تدریس کے لئے دیوبند کی درسگاہ قائم کی گئی تھی۔ یہ وہ سیاست تھی۔ جسے چلانے کے لئے مولانا شیخ الہند نے انقلابی تحریک کا آغاز کیا تھا۔ اور جس میں مولانا عبیداللہ سندھی نے مولانا احمد علی رحمۃ اللہ علیہ کو شریک کیا تھا۔

مولانا احمد علی رحمۃ اللہ علیہ نرے مدرس نہیں تھے۔ بلکہ سلوک تصوف کے غوامض کے بھی حامل تھے جس کی بنیاد انقلابی تصورات اور ولی اللہی حکمت پر تھی امام ولی اللہ دہلوی نے تصوف کو فراریت (ESCAPISM) سے نکال کر انقلابی بنیادوں پر استوار کیا۔ اور اس میں سطیفہ جوارح کا اضافہ کر کے اُسے انسان کی عملی زندگی کا محور بنا دیا۔ مولانا احمد علی صاحب اس انقلابی تصوف کے حامل تھے۔ جو انہوں نے حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ کے توسط سے اپنے مشائخ رحمہم اللہ سے لیا۔ یہ تصوف وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود دونوں کی صحیح ترجمانی کرتا ہے۔ اور اگر حکمت ولی اللہی کی روشنی میں مطالعہ اور مشاہدہ کیا جائے۔ تو یہ جس کے داعی اور عامل حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ اور حضرت مولانا احمد علی اعلی اللہ مقامہما تھے۔ کلیات جدیدہ کے لئے ایک نیا میدان تحقیقات پیش کرتا ہے۔ اس لحاظ سے حضرت مولانا احمد علیؒ صاحب متقدمین صوفیائے خاتم تھے۔ اور مولانا سندھیؒ اور مولانا احمد علی صاحب کی ذات سے ایک نئے سائنٹیفک اور انقلابی تصوف کا تصور قائم ہوا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے۔ کہ اب آئندہ نوع انسانی کی فلاح اس میں ہے کہ تصوف کو سائنٹیفک بنیادوں پر استوار کیا جائے۔ اور سائنس دان تصوف کو سائنس کی روشنی میں عمل میں لائیں پاکستان کے لئے یہ ایک نیا تصور ہے اگر وہ راہ سلوک پر گامزن ہو۔ تو امام ولی اللہ دہلوی اس کی رہنمائی کرینگے اور اس کے لئے

تاریخ اسلام کے بہترین دَور۔ قرنِ اول کے وہ تمام اخلاقی اور معانی حقائق واشگاف ہوجائیں گے۔ جنہیں اختیار کرکے وہ اقوام عالم میں اپنے لئے بلند ترین مقام پیدا کرسکتا ہے۔ امام ولی اللہ دہلوی نے اس سلسلے میں اپنی بیش قیمت تصنیفات خیرِ کثیر، سطعات، ہمعات اور تفہیمات الٰہیہ میں اتنی سیر حاصل معلومات جمع کردی ہیں کہ ایک سائنس دان کی پوری تسلی ہوسکتی ہے۔ اور جو سالک اس فن کو سائنٹیفک رنگ میں پیش کرنا چاہئے وہ اس تصوف اور جدید سائنس کے مطالعہ کو جمع کرسکتا ہے۔

حضرت مولانا عبید اللہ سندھی کا یہ وہ کارنامہ ہے۔ جس کی تکمیل میں حضرت مولانا احمد علی اعلی اللہ مقامہ ساری عمر لگے رہے۔ ان کی تفسیر قرآن حکیم ان کی تدریس کتاب اللہ، ان کی تکمیل سلوک سب کا محور یہی انقلابی تصور تھا جس طرح امام غزالیؒ نے اپنے زمانے میں یونانیات کے پھیلائے ہوئے زہر کا مقابلہ انہی حربوں سے کیا تھا۔ جو یونانی علوم وفنون کے ماہر استعمال کرتے تھے ضرورت ہے۔ کہ آج اسلام اور قرآن حکیم کی خدمت کے لئے اور هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ میں معین کردہ مقصد کے حصول کے لئے وہی راہ اختیار کی جائے جس پر مولانا رحمۃ اللہ عمر بھر گامزن رہے، خوش قسمتی سے یہ راہ نا مانوس اور نا معلوم نہیں ہے۔

.... بلکہ اس راہ ہدایت کی ہر

منزل کی نشاندہی امام ولی اللہ دہلوی گر گئے ہیں (مولانا عبید اللہ انور انجام دے رہے ہیں) کاش ہمارے صوفیائے کرام اور مسلمان سائنس دان اس راہ پر گامزن ہو کر اللہ تعالیٰ کا نام بلند کریں۔ خدا تعالیٰ حضرت مولانا احمد علی رحمۃ اللہ علیہ کو انکی مجاہدانہ خدمات کیلئے اعلیٰ علیین میں بلند مقام عطا فرمائے۔ اور ہمیں ان کی زندگی کے مشن کی خدمت کرنے کی توفیق ارزانی فرمائے آمین۔

قرآن ایک معجزہ ہے

حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب صاحب مدظلہ العالی کی تقریر

جلسۂ تقسیم اسناد پر

۲۸ر اپریل ۱۹۶۲ء کی شب نماز عشاء کے بعد جامع شیرانوالہ لاہور میں دورۂ تفسیر کے کامیاب طلباء کا جلسہ تقسیم اسناد منعقد ہوا یہ دورۂ تفسیر قطب العالم شیخ التفسیر سیدنا و مرشدنا حضرت مولانا احمد علی صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے اپنے معمول کے مطابق رمضان المبارک میں شروع کرایا تھا چنانچہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد اسکی تکمیل جانشین شیخ التفسیر حضرت مولانا عبید اللہ انور مدظلہ العالی کے ہاتھوں ہوئی۔ اسناد فخر الاماثل حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب صاحب مدظلہ العالی اور راہبر جمعیۃ العلمائے اسلام حافظ الحدیث یادگار سلف حضرت مولانا عبد اللہ درخواستی نے تقسیم کیں بعد خطبہ مسنونہ کے قاری صاحب نے تقریر فرمائی۔

بزرگانِ محترم ! اس جلسہ کے موضوع کے سلسلہ میں جتنا وقت نصیحت کا تقاضہ حضرت مولانا درخواستی فرما چکے ہیں۔ اب اس پر کسی اضافے کی ضرورت نہیں۔ در اصل میرا مقصد بھی اس وقت کوئی لمبی چوڑی تقریر کرنا نہیں ہے ..... بلکہ سرے ہی سے تقریر کرنا مقصود نہیں تھا۔ محض تبرکاً اس جلسہ کی شرکت اور سعادت حاصل کرنا مقصود تھی۔ ہمارے محترم بھائی مولانا عبید اللہ انور نے تو فرما ہی دیا تھا فون پر ..... کہ تقریر کرانا مقصود نہیں ہے صرف جلسہ کی شرکت مقصود ہے۔ کوئی اجبار اور اکراہ نہیں ہوگا۔ — تو اس لئے تقریر نہ ضروری ہے اور نہ ضرورت ہی باقی رہی ہے۔ اس لئے کہ تقریر آپ سُن چکے —— لیکن چونکہ بار بار اعلان کیا گیا تھا۔ اس لئے بہر حال اعلان کے احترام میں چند کلمات عرض کر دینے مناسب معلوم ہوئے۔

یہ جلسہ تقسیم اسناد کے سلسلے میں تھا۔ حضرت مولانا احمد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے معمول کے مطابق قرآن کریم کی تفسیر شروع کرائی لیکن وہ درمیان میں رہ گئی۔ اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہو گیا۔ ان کے وصال کے بعد حضرت کے صاحبزادہ مولانا عبید اللہ انور نے اس کی تکمیل فرمائی اور اس کی تکمیل پر یہ سندیں طلباء کو دی گئیں یہ سند کا دیا جانا بالکل ایسا ہے جیسا کہ جب کوئی چیز حدِ کمال کو پہنچ جاتی ہے اور بالغ ہو جاتی ہے تو قدرتی طور پر کچھ علامتیں ایسی ہوتی ہیں جس سے اس کا بلوغ اور اس کا کمال عام طور سے محسوس ہونے لگتا ہے — آدمی جب جوان ہوتا ہے پندرہ سال کی اس کی عمر ہو گئی تو قدرتی طور پر کچھ علامتیں ایسی نمایاں ہوتی ہیں

کہ دیکھنے والے یہ سمجھتے ہیں کہ یہ جوان ہو گیا ہے ۔ کچھ چہرہ چوڑا چکلا ہو جاتا ہے، قد و قامت کچھ اونچا ہو جاتا ہے۔ مسیں بھیگنے لگتی ہیں، چہرہ پر خط نمودار ہوتا ہے۔ ان علامتوں سے سمجھا جاتا ہے کہ یہ بالغ ہو گیا ہے اور بالغ ہونے کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ اب اس کی نسل چل سکتی ہے آئندہ ۔۔۔ اور اس کی شاخیں بڑھ جائیں گی ۔۔۔ یہ اس درجہ پر پہنچ چکا ہے کہ نسل چل جائے گی اس کی ۔ تو ان علامتوں کو دیکھ کر اس کے بلوغ کو سمجھتے ہیں ۔ اور بلوغ کا یقین کرنے کے بعد تزویج کی نوبت آتی ہے اور تزویج کے بعد نسل چلنے لگتی ہے ۔ یہی سلسلہ چلا آتا ہے اوپر سے اور چلتا جائیگا اسی طرح سے ایک طالب علم قرآن و حدیث پڑھ لینے کے بعد جب اس کی استعداد مکمل ہو جاتی ہے اور وہ حدِ بلوغ کو پہنچ جاتا ہے تو اساتذہ کی طرف سے کچھ علامتیں دی جاتی ہیں جن سے سمجھ میں آجائے کہ اب یہ بالغ ہو گیا ہے اور اس کی استعداد مکمل ہو گئی ہے ۔

حضراتِ صوفیاء قدس اللہ اسرارہم کے ہاں خرقہ دیا جاتا تھا ۔۔۔ پگڑی دی جاتی تھی ۔ اور علامت کے طور پر کوئی کپڑا وغیرہ دیا جاتا تھا حضرات علماء کرام کے ہاں فارغ التحصیل کی دستار بندی کی جاتی ہے عمامہ باندھتے ہیں ۔ سند دیتے ہیں ۔۔ تو یہ سند اور دستار فی الحقیقت بلوغ کی علامت ہے کہ استعداد کامل ہو گئی ۔۔ یہ مطلب نہیں ہوتا کہ آدمی عالم بن گیا پورا ۔۔۔ بلکہ علم کی استعداد پیدا ہو گئی کہ اب اگر وہ بڑھانا چاہے علم کو ۔۔۔ تو خود اپنی قوتِ باطن سے بڑھا سکتا ہے ۔ اب تک

کلیتہ محتاج تھا اپنے استاد کا ــــ ایک ایک سطر میں اور ایک ایک کلمہ میں ـــــ لیکن استعداد کی تکمیل کے بعد خود بھی اپنے قوتِ مطالعہ سے وہ علم حاصل کر سکتا ہے۔ بڑھا سکتا ہے ــــ اور اس درجہ کا ہے کہ اگر وہ کتاب پڑھانے کے لئے بیٹھ جائے تو دوسروں کو بھی اپنے جیسا بنا سکتا ہے گویا اس کی علمی نسل چل سکتی ہے آئندہ اس کی ذریت پیدا ہو سکتی ہے تو جس طرح سے مرد کے بلوغ کی علامتیں ہوتی ہیں۔ ان علامتوں کو دیکھ کر زوجیت اور تنشیح کر دیتے ہیں تا کہ نسل چلے ۔ اسی طرح سے سند، خرقہ، عمامہ اور دستار دینا ــــ علامت ہے علمی طور پر بلوغ کی ـــــ کہ اب اگر کتاب سے اس کی شادی کر دی جائے اور سامنے اس کے وہ بٹھلا دیا جائے تو اس کی نسل چل پڑے گی۔ اس کی ذریت پیدا ہو جائے گی ۔ اس کا علمی کمال آگے بڑھ جائے گا۔ اس واسطے یہ سندیں دی جاتی ہیں ۔ یہ علامت ہوتی ہے شہادت ہوتی ہے۔

تو یہ شہادت درحقیقت تکمیل علم کی شہادت نہیں ہے۔ تکمیل استعداد کی شہادت ہے۔ علم کا مقام تو اب آتا ہے ۔ طالب علم کے لئے ۔ کہ وہ آگے بڑھے ۔ استعداد ہو گئی سمجھنے کی اس میں ۔ تو بہر حال یہ استعداد کی شہادت ہے۔

کس چیز میں استعداد! اللہ کے کلام کے سمجھنے کی استعداد ــــ گویا اُستادوں نے شہادت دی سند کے اوپر کہ اب اگر یہ کتاب اللہ کر دیکھے گا تو اس کے مزاج اس کے مضامین اس کی مرادات کو سمجھنے کی استعداد ہو گئی اس میں ــــ صلاحیت پیدا ہو گئی اس کی ــــ سمجھنا چاہے تو سمجھ

لے گا — تو قرآن کریم کے سمجھنے کی استعداد کی یہ علامت تھی —
شہادت محض اساتذہ کی طرف سے۔

قرآن کریم فی الحقیقت معجزہ ہے۔ یعنی کلام خداوندی ہے۔ کلام بشری
نہیں — زبان اور قلب پر ظاہر ہوا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے —
لیکن کلام اللہ کا ہے۔

معجزہ کہتے ہی اس کو ہیں کہ مخلوق کو عاجز کر دے — مخلوق سر ڈال
دے اپنے عجز کا اعتراف کرے۔ کہ ہم میں سکت نہیں ہے اس کے
بنانے کی — وہی معجزہ ہے۔ تو بعض معجزات تکوینی ہیں بعض تشریعی
یہ آسمان زمین یہ سب معجزات ہیں۔ یعنی حق تعالیٰ شانہٗ نے ان کو بنایا
— گویا ہر انسان جانتا ہے کہ اللہ جل شانہٗ کی بنائی ہوئی چیزیں ہیں —
اس لئے کہ اگر ساری دنیا کے انسان جمع ہو جائیں اور چاہیں کہ سورج کی
ایک کرن بنا دیں۔ تو ناممکن ہے یا ان کے بس میں نہیں — سورج تو پھر
ہزاروں لاکھوں میل اوپر ہے — اس زمین کا ایک ذرہ نہیں بنا سکتے
سارے انسان مل کر — جس میں صلاحتیں ہوں اگانے کی۔ وہ قوتیں
ہوں جو مٹی کے اندر اللہ نے رکھی ہیں — کام تو لے سکتے ہیں۔ اس سے
— سورج کی کرنوں کو بھی استعمال کر سکتے ہیں — لیکن بنا نہیں سکتے نہ
سورج کو نہ زمین کو — تو نہ بنا سکنا عجز کا اقرار ہوگا — یہ دلیل اس
بات کی ہوتی ہے۔ کہ فعل خدا کا ہے کسی بشر کا نہیں — وہی بنا سکتا ہے
ہے دوسرا نہیں بنا سکتا۔

اسی طرح سے کلام کے سلسلے میں جب اس درجہ کا کلام ہو کہ سارے بشر مل کر اس کی نظیر نہ لاسکیں تو علامت ہوگی اس کی کہ یہ خدا کا کلام ہے، بشر نہیں بنا سکتا اس کو — اور اس کی ایک کھلی ہوئی وجہ یہ ہے کہ جس قدر بھی صفات ہیں — جس قدر بھی کمالات ہیں جو انسان کو عطا کئے گئے ہیں۔ تو ان میں ایک حد ایسی ضرور نکلتی ہے کہ وہاں پہنچ کر نفس عاجز ہو جاتا ہے مثلاً علم ہے — علم آپ کو دس نسلوں کا ہوگا۔ سو کا ہوگا۔ ہزار کا ہوگا۔ دس ہزار نسلوں کا علم ہوگا اس کے بعد جا کر کے عجز کی حد آجاتی ہے۔ کہ اب یہاں انسان عاجز ہے۔ قدرت ہے آپ کی۔ آپ اس چوکی کو اٹھا سکتے ہیں — لاؤڈ سپیکر کو اٹھا سکتے ہیں۔ لیکن اگر کہا جائے کہ اس مسجد کو اٹھا لیں تو آپ کہیں گے ہماری کوئی ہستی نہیں — تو قدرت کی ایک حد آگئی۔ آگے اب عجز شروع ہوگیا — تو آپ کی قدرت محدود ہے اور محدود ہونے کے یہ معنی ہیں۔ کہ ایک حد کے اندر اندر ہے۔ حد سے باہر قدرت کا خاتمہ ہے پھر اگر وہ قدرت شروع ہو جائے — علم محدود ہے۔ ایک خاص دائرہ کے اندر آپ کا علم ہے۔ اس دائرہ سے باہر ہوں تو عدم علم کی حد آجائے گی جس کو جہل کہتے ہیں — تو حد کے اندر علم اور باقی جہل ہی جہل ہے۔ اسی طرح سے مثلاً آپ کی سمع ہے۔ سننے کی طاقت — آپ ایک فرلانگ کی بات سن لیں گے۔ دس فرلانگ کی۔ میل بھر کی ہزار میل کی اور یہ بھی مان لیا کہ ریڈیو کے ذریعہ مشرق کی بات مغرب میں سن لیں آپ — لیکن اس کے بعد آسمانوں کی آوازیں آپ کے کانوں میں نہیں

آیں۔ وہاں سے آگے پھر عدم سمع شروع ہو جاتا ہے — تو معلوم ہوا سمع کی ایک حد ہے جہاں سے آگے چل کر عدم سمع ہے۔ جیسے بہرا پن کہتے ہیں۔ بصر ہے آپ کی — آپ دن میں تارے دیکھ لیں اتنے قوی البصر ہوں لیکن اس سے آگے تم نہیں دیکھ سکتے تو بصر کی بھی ایک حد نکلی اس کے بعد پھر عجز ہے۔ جس کو عدم بصر کہتے ہیں۔ یعنی پھر اندھا پن —

بس قدر بھی آپ کی صفات ہیں ایک حد کے اندر محدود ہیں۔ علم بھی قدرت بھی، سمع بھی، بصر بھی حتیٰ کہ حیات بھی یہ تو سب حیات کے کرشمے ہیں۔ زندہ ہوگا آدمی تو سمع بھی ہوگی۔ بصر بھی ہوگی۔ اور زندہ ہی نہیں تو نہ سمع نہ بصر —

خود حیات آپ کی محدود ہے — دس برس، بیس برس، پچاس برس کے زمانے کے اندر اندر محدود — اس سے پہلے بھی نہیں اس کے بعد بھی ممکن ہے کہ نہ ہو۔ تو دو حاشیں کے بیچ آپ کی حیات ہے پھر عدم الحیات — تو آپ کی ذات سے لے کر صفات تک تمام چیزیں محدود ہیں حدود کے اندر — اور جب وہ حد آتی ہے تو آگے عجز ظاہر ہوتا ہے۔

یہی صورت کلام کی بھی ہے — آپ کلام کریں بہت فصیح، بہت بلیغ سحبان الہند بن جائیں۔ افصح العرب بن جائیں لیکن بہرحال ایک حد پر آ کر آپ کا کلام اور فصاحت ختم ہو جائے گی۔ یہاں آپ کو عجز کا اقرار کرنا پڑے گا — آگے جو حد آتی ہے فصاحت کی وہ خدائی حد ہے —

وہیں سے بندہ جو ہے عاجز ہو جاتا ہے ــــ اُس کے آگے حد شروع ہوتی ہے کہ جو بلا واسطہ حق تعالیٰ کی قدرت کے تحت ہے کہ جیسی فصاحت جیسی بلاغت وہ فرما سکتے ہیں اپنے کلام میں ــ اور جن حقائق کو حق تعالیٰ ادا کر سکتے ہیں بشر وہاں عاجز رہ جاتا ہے۔

یہ انبیاء علیہم السلام کا کمال ہے کہ بڑی سے بڑی دقیق حقیقتوں کو سہل عنوان سے ادا فرما دیتے ہیں ــ اس کے باوجود انبیاء کی عاجزی اور بعد ختم ہو جانے کے بعد خدائی حد شروع ہوتی ہے ــ تو بہر حال اسی حدِ اعجاز کا نام وہ انتہائی فصاحت و بلاغت ہے ــ جو خدائی حد ہے ــ یہی حقیقت ہے قرآن کریم کی کہ قرآن عزیز کلام خداوندی ہے ــ افصح ہے، ابلغ ہے اس حد پر کہ سارے بشر وہاں پہنچ کر عاجز ہو جاتے ہیں ــ نہ اس جیسا کلام لا سکتے ہیں نہ ان کو قدرت ہے ــ

جیسے سب چیزوں میں سمع میں بصر میں ــــ حد نکلتی ہے اعجاز کی اسی طرح کلام میں بھی نکلتی ہے وہاں بشر کی حد ختم ہو جاتی ہے ــ تو بہر حال قرآن کریم معجزہ ہوا اس وقت یہ مقصد نہیں ہے کہ قرآن کی فصاحت اور بلاغت پر کوئی تقریر کی جائے ــــ مقصد صرف یہ ہے عرض کرنے کا کہ جیسے قرآن کریم معجزہ ہے اس کا آغاز اور اس کی انتہا بھی ایک اعجاز ہے ــــ جیسے طرز بیاں میں اس کا اعجاز ہے ــــ اس کے آغاز میں بھی اعجاز ہے ــــ اس کے اختتام میں اعجاز ہے ــــ ــــ چونکہ ختم قرآن ہی کا ایک موضوع چل رہا ہے ــــ قرآن ختم ہوا ــــ تفسیر ختم ہوئی تو سندیں تقسیم ہوئیں ــــ اس واسطے میں عرض کر رہا ہوں ــــ جیسے پورا قرآن ایک معجزہ ہے۔ غور کیا جائے تو اس کی ابتدا اور انتہاء میں بھی کمال اعجاز چھپا ہوا ہے ــــ اس کو یوں سمجھئے کہ دنیا کے اندر جس قدر بھی انشاء

ہیں دو طرح کی ہیں ـــــ یا نافع ہیں یا مضر ـــــ
جو نافع ہیں وہ نعمت کہلاتی ہیں جو مضر ہیں وہ زحمت کہلاتی ہیں ـــــ
یہ ایک ہی چیز کے دو حال ہیں ـــــ ایک حال نافع ہے ـــــ ایک مضر ہے ـــــ ایک حال کو نعمت کہیں گے اور ایک کو زحمت ـــــ

تو دو ہی قسم کی چیزیں ہیں دنیا میں ـــــ یا ان سے لذت پہنچتی ہے یا ان سے مصیبت ـــــ اور کلفت پہنچتی ہے ـــــ اور ہر چیز میں دونوں کیفیات موجود ہیں ـــــ زمین نافع بھی ہے اور مضر بھی ـــــ بعض اوقات نفع دیتی ہے اور بعض اوقات زمین مضر بن جاتی ہے ـــــ پانی نافع بھی سبب ہے حیات کا اور بعض اوقات یہی پانی موت کا سامان بن جاتا ہے ـــــ روٹی کھاتا ہے آدمی جو سبب ہے زندگی کا ـــــ لیکن بعض اوقات یہی روٹی اُچھو پڑ گیا ـــــ گلے میں اٹک گئی تو موت کا سامان بن گئی۔ تو ہر چیز میں راحت کا دروازہ بھی کھلا ہے اور مصیبت کا دروازہ بھی کھلا ہوا ہے ـــــ

تو حالتیں دو ہیں یا نعمت کی یا مصیبت کی ـــــ نعمت کے مقابلے میں حق تعالیٰ نے شکر رکھا ہے ـــــ مصیبت کے مقابلے میں صبر و تعوذ رکھا ہے کہ پناہ مانگو اللہ سے ـــــ یہی وجہ ہے کہ جو نعمت آئے گی امر ہے کہ شکر کرو ـــــ اور بن پڑے جو بھی مصیبت آئے گی امر ہے کہ صبر کرو اس سے تعوذ کرو ـــــ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں یہ دونوں پہلو اتنے

نمایاں ہیں ـــــ اتنے اجاگر ہیں کہ آپ جیسا حمد کرنے والا کوئی آج تک گزرا ہے نہ آئندہ گذرے گا ـــــ اتنے صیغے حمد و ثنا کے آپ سے مروی منقول ہیں کہ دنیا کے کسی ہادی و نذیر سے حمد و ثنا کے اتنے صیغے منقول نہیں ہیں

کوئی حال ایسا نہیں چھوڑا کہ آپ نے اس پر حمد و ثنا نہ کی ہو۔ اگر کپڑا پہنتے ہیں تو فرماتے ہیں ـــــ الحمد لله الذی کسانی هذا من غیر حول منی ولا قوة ـــــ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جس نے مجھے یہ کپڑا، پہنایا میری طاقت اور ہمت کے بغیر کھانا کھاکر اٹھتے ہیں تو فرماتے ہیں الحمد لله الذی اطعمنا وسقانا وجعلنا من المسلمین ـــــ سب تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جس نے ہمیں کھلایا اور پلایا اور ہمیں مسلمانوں میں سے بنایا ـــــ سو کر اٹھتے ہیں تو فرماتے ہیں ـــــ الحمد لله الذی احیانا بعد ما اماتنا والیه النشور ـــــ سب تعریفیں اللہ ہی کیلئے ہیں جس نے ہمیں مرنے کے بعد زندہ اور اسی کی طرف اٹھ کر جمع ہونا ہے ـــــ

استنجا سے واپس آتے ہیں تو فرماتے ہیں۔ الحمد لله الذی اذهب عنی الاذی وعافانی ۔حمد ہے اللہ کے لیے جس نے اذیت کی چیزیں میرے اندر سے نکال دیں اور مجھے عافیت عطا فرمائی ـــــ

اگر چھینک آنے پر دماغ میں راحت محسوس ہوتی ہے تو الحمد للہ زبان مبارک پر لاتے ـــــ گھر میں داخل ہوتے ہیں تو حمد و ثنا کرتے ہیں ـــــ داخل ہو کر گھر سے باہر نکلتے ہیں تب حمد و ثنا ـــــ بازار میں جاتے ہیں تب حمد و ثناء ـــــ جنگ میں جاتے ہیں تب حمد و ثنا ـــــ کوئی لمحہ ایسا نہیں جاتا کہ جس

میں حمد کے صیغے آپ سے ادا نہ ہوئے ہوں ـــــ اور پھر اتنی تبلیغ کی حمد وثنا کی کہ عالم میں کوئی نہیں کر سکتا حتیٰ کہ حدیث میں فرمایا گیا ـــــ خود ہی آپ فرماتے ہیں ـــــ قیامت کے دن مجھ کو عطا کیا جائے گا مقام محمود (یعنی کہ مقام میں بھی حمد شامل ہے) ـــــ اور میں اتنی حمد بیان کروں گا ـــــ ایسے اللہ کے محامد بیان کروں گا کہ نہ عالم میں کسی نے کئے نہ کوئی کرے گا ـــــ اور مجھے بھی معلوم نہیں ہے کہ وہ حمد وثنا کیا ہو گی اسی وقت میرے قلب پر القا کی جائے گی وہ حمد وثنا ـــــ تو سات دن تک حمد وثنا کریں گے اور بلیغ ترین حمد وثنا ہو گی ـــــ تو دنیا سے لے کر آخرت تک آپ کو حمد وثنا دی ہوئی ہے ـــــ کوئی لمحہ آپ کا حمد وثنا سے خالی نہیں ہوتا تھا ـــــ کوئی حال ایسا نہیں ہوتا تھا جس میں حمد و ثنا اور شکر کے صیغے استعمال نہ فرمائے ہوں ۔ اسی لیے علماء لکھتے ہیں آپؐ کا نام احمد ہے ـــــ احمد کے معنے ہیں سب سے زیادہ حمد کرنے والا بندہ ـــــ تو آپ احمد بھی اور حق تعالیٰ کا قانون ہے مکافات کا ـــــ جو جس طرح کا معاملہ کرتا ہے حق تعالیٰ سے اللہ تعالیٰ بھی اس کے ساتھ اسی قسم کا معاملہ کرتے ہیں ـــــ ان تنصروا اللہ ینصرکم آپ اللہ کی مدد کریں اللہ آپ کی امداد کرے گا ـــــ فاذکرونی اذکرکم تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا ـــــ

جس کو یہ پسند ہے کہ وہ اللہ سے ملاقات کرے تو اللہ کو بھی یہ پسند ہے کہ وہ اس بندے سے ملاقات کرے ـــــ تو قانون مکافات ہے۔

حق تعالیٰ کا ——

آپ نے اللہ تعالیٰ کی اتنی حمد و ثنا کی آپ کا نام احمد ہوگیا —— اور حق تعالیٰ نے آپ کی حمد و ثنا کی تو اس لیے آپ کا نام محمد ہوگیا —— حمد کیا گیا —— آپ حمد کرنے والے بھی سب سے زیادہ ہیں اور حمد کئے گئے بھی سب سے زیادہ —— اور اسی لیے قیامت کے دن آپ کو جو مقام دیا جائے گا اس کا نام بھی مقام محمود ہوگا —— عسیٰ ان یبعثک ربک مقاماً محمودا —— حتیٰ کہ وہ جھنڈا جو آپ کے ہاتھ میں ہوگا "قیامت کے دن اس کا نام بھی لواء الحمد ہوگا —— بِیَدِیْ لِوَاءُ الْحَمْدِ قیامت کے دن احمد کا جھنڈا میرے ہاتھ میں ہوگا مگر فرماتے ہیں میں شیخی سے نہیں کہتا امر خداوندی ہے۔ تحدیث نعمت کے طور پہ کہتا ہوں —— تو لواء الحمد (حمد کا جھنڈا) آپ کے ہاتھ میں ہوگا —— آدمؑ اور ساری اولادِ آدمؑ حمد کے جھنڈے کے نیچے ہوگی

چنانچہ جھنڈا بھی دیا گیا تو حمد کا —— مقام بھی دیا گیا تو محمود —— حتیٰ کہ حدیث میں ہے۔ آپ کی امت کا لقب امت کا نام بھی حمادون ہوگا —— یعنی حمد والے بندے —— ساری امتوں میں یہ امت حمادون کے لقب سے یاد کی جائے —— کہ آگئے حمد و ثنا کرنے والے بندے ——

اس واسطے کہ نبی جس وصف غالب سے ترتیب فرماتے ہیں اپنی امت کے اندر رچتا ہے پوری طرح سے —— تو آپ کے اوپر غلبہ تھا حمد و ثنا کا —— اس لیے امت کا مزاج بھی ہے حمد و ثنا کا —— کفرانِ نعمت کا

مزاج نہیں ہے ــــ تھوڑی سی چیز ہو گی تو حمد و ثنا بہت کریں گے ــ تھوڑی نعمت مل جائے گی تو اللہ کا شکر بہت ادا کریں گے ـــ یہ مزاج ہے اس امت کا ـــ اگر مزاج میں سلامتی نہ ہو خدا نخواستہ ـــ مزاج فاسد ہو جائے کسی کا تو وہ بات دوسری ہے ـــ لیکن اصل طبیعت پر جب سلامت رہے گی تو حمد و ثنا کا غلبہ رہے گا۔ اس لیے کہ اس کے مربی اعظم پر بھی غلبہ تھا حمد و ثنا کا ـــ ہر طرف سے حمد و ثنا گھیرے ہوئے ہے آپ کو ـــ تو آپ کو اللہ نے جو کتاب عطا کی ہے تو اس کی ابتدا بھی الحمد سے کی ہے ـــ الحمد للہ رب العالمین ـــ ساری تعریفیں ہیں اللہ رب العالمین کے لیے ـــ گویا کہ آغاز میں حمد رکھ دی گئی کہ جب ایک مسلمان کتاب خداوندی پڑھے گا تو سب سے پہلے اس کی زبان پر حمد کا صیغہ آئے گا کہ الحمد للہ ـــ ساری تعریفیں اللہ رب العزت کے لیے ہیں جو پالنے والا ہے جہانوں کا ـــ رحمان ہے رحیم ہے ـــ مالک یوم الدین ہے ـــ تو حمد سے گویا آغاز کیا گیا کتاب اللہ کا جس میں اشارہ اس طرف ہے کہ آغاز اور غلبہ اور سبقت تمہارے اندر حمد و ثنا کی رہنی چاہیے ـــ گویا ہر وقت اللہ کی نعمتیں پیش نظر رہیں ـــ تاکہ حمد و ثنا تمہاری زبانوں سے جاری ہو قلوب کے اندر بھی جاری ہو ـــ

تو آغاز کیا گیا کتاب اللہ کا حمد کے ساتھ ـــ الحمد للہ ـــ بقول نحویوں کے اگر "ال" استغراق کا لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ جتنے بھی الفاظ حمد کے ہیں وہ سب اللہ کے لیے ہیں، اس واسطے کہ حمد

جو ہوتی ہے کسی پاکیزہ صفت کی ہوتی ہے —— بُرے اوصاف پر تو کسی کی حمد و ثنا کوئی کیا ہی نہیں کرتا خوبی پر حمد و ثنا ہوتی ہے —— تو جب ساری تعریفیں اللہ کے لیے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ ساری خوبیاں ہی اللہ کے لیے ہیں —— وہی سرچشمہ ہے ساری خوبیوں کا —— واسطہ یا بلا واسطہ جو بھی حمد کریں گے کسی کی —— وہ اللہ ہی کے لیے ہے —— بلاواسطہ اللہ کی حمد کریں تو وہ سرچشمہ ہے کمالات کا مستحق ہے حمد و ثنا کا —— لیکن دنیا میں بھی اگر آپ کسی کی تعریف کرینگے اور شکر ادا کریں گے تو وہ بھی دراصل اللہ ہی کا شکر ہوگا —— اس لیے کہ جس میں جو خوبی ہے وہ اللہ ہی کی طرف سے آئی ہے —— کسی کی ذات میں کوئی خوبی نہیں —— جس میں کچھ خوبیاں نمایاں ہیں وہ پرتو ہیں حق تعالیٰ شانہٗ کی خوبیوں کا —— اس لیے اگر کسی انسان کی خوبی پر آپ تعریف کرینگے وہ بھی بالآخر اللہ کی تعریف ہے —— کسی اور خوبصورت چیز کی تعریف کرینگے تو وہ بھی درحقیقت اللہ ہی کی تعریف ہے —— اور خوبی وہیں سے آئی ہے —— تو صورت کی تعریف ہو یا سیرت کی ہو، بدن کی ہو یا روح کی ہو، کسی خوبی کی ہو یا عمدگی کی ہو بالآخر وہ اللہ کی تعریف ہے کیونکہ ہر خوبی وہیں سے آئی ہے —— اس لیے کہا گیا کہ الحمد للہ اس لام استغراقی ہے یعنی سارے افراد حمد کے صرف اللہ کے لیے ہیں —— بالواسطہ ہوں یا بلا واسطہ ——

اب اگر جنس کا لے لیا جائے لام کو اس کا مطلب یہ ہے کہ حمد کی جنس اللہ کے لیے ہے —— قلیل ہو یا کثیر حق تعالیٰ ہی مستحق ہیں حمد و ثنا

کے ـــــ اصل میں ان کی حمد ہے، ان کے واسطہ سے پھر دوسروں کی حمد ـــ تو قرآن کریم کا آغاز کیا گیا الحمد سے اس لیے کہ جس نبی پاک پر یہ کتاب اتاری گئی ان پر خود غلبہ حمد و ثنا کا ہے ـــــ ان کا نام احمدؐ ـــــ ان کا نام محمدؐ ـــــ ان کے مقام کا نام محمود ـــــ ان کے جھنڈے کا نام لواء الحمد ـــــ ان کی امت والوں کا لقب حمادون ـــــ اس لیے کتاب بھی حمد سے ہی شروع کی گئی تو آغاز ہوا حمد سے ـــــ

درحقیقت دنیا میں جتنی بھی نعمتیں یا لذتیں ہیں ان کے مقابلہ پر شکر کی عبادت رکھی گئی ـــــ اور آغاز کیا الحمد سے تاکہ شکر گذار نے کی توفیق پیدا ہو بندہ میں ـــــ اور شکر گذار بننے کا جذبہ ہمارے اندر قائم ہو ـــــ دوسری حالت مصیبت کی ہوتی ہے ـــــ انسان اذیت اٹھائے ـــــ بیماری ہے مرض ہے، فکر ہے، غم ہے ـــــ خلاف طبع واقعات ہزاروں پیش آتے ہیں ـــــ ان کے مقابلہ میں رکھا گیا ہے تعوذ یعنی پناہ مانگو اللہ سے ـــــ پناہ جوئی کرو اور اللہ کے دامن میں آجا تاکہ مصائب سے بچو ـــــ اس کے لیے اعوذ باللہ ہے ـــــ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں زندگی کے جتنے جتنے حمد و ثنا کے اتنے ہی صیغے تعوذ کے ہیں ـــــ کوئی نعمت نہیں چھوڑی جس پر حمد و ثنا نہیں اور کوئی مصیبت نہیں چھوڑی جس سے پناہ مانگنی نہ سکھائی ہو آپ نے ـــــ اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم ـــــ سرچشمہ ساری برائیوں اور خباثتوں کا شیطان ہے تو پہلا تعوذ تو اس سے ہی سکھایا ـــــ رب اعوذ بک من

همزة الشياطين، واعوذ بك رب ان يحضرون۔ اے اللہ میں پناہ مانگتا ہوں شیطان سے، شیطان کے نفقہ سے اور شیطان کے اثرات سے
—— پہلا تعوذ شیطان سے کیا گیا —— کہیں فرماتے ہیں۔ اعوذ باللہ من امراۃ تشیبنی قبل المشیب میں پناہ مانگتا ہوں اس عورت سے جو بڑھاپے سے پہلے مجھے بوڑھا کر دے کہیں فرمایا۔ اعوذ باللہ من ولد یکون علی وبالا۔ میں پناہ مانگتا ہوں ایسی اولاد سے جو میرے اوپر عذاب بن کر رہ جائے۔ کہیں فرمایا۔ اعوذ باللہ من البلاء۔ میں بلیات سے پناہ مانگتا ہوں۔ کہیں فرمایا۔ اعوذ باللہ من الوباء۔ میں وباء سے پناہ مانگتا ہوں۔ کہیں فرمایا۔ اعوذ باللہ من سوء الاخلاق والاھواء والادواء میں پناہ مانگتا ہوں برے اخلاق سے، بری بیماری سے، بری خواہشات سے تو غرض تعوذ کے ہزاروں صیغے ہیں —— اعوذ باللہ من فتنۃ المسیح الدجال میں پناہ مانگتا ہوں دجال کے فتنو سے۔ اعوذ باللہ من فتنۃ الحیا والممات میں پناہ مانگتا ہوں موت اور زندگی کے فتنے سے۔ اعوذ باللہ من فتنۃ الدنیا میں پناہ مانگتا ہوں دنیا کے فتنہ سے —— تو عورت کے فتنہ سے، دنیا کے فتنہ سے، بیماریوں کے فتنہ سے، حیات و ممات کے فتنہ سے —— کوئی فتنہ نہیں چھوڑا کر جس سے پناہ مانگنی نہ سکھلائی ہو —— تو اول حمد اس کے بعد دوسری چیز تعوذ ہوئی
قرآن کریم کا عجیب اسلوب ہے کہ ابتداء حمد سے کی گئی اور انتہا تعوذ سے کی گئی سب سے پہلی صورۃ فاتحہ ہے جس کی ابتدا ہوئی الحمد سے۔ —— اور سب

سے آخری سورتیں ہیں قل اعوذ برب الفلق۔ قل اعوذ برب الناس
کہ جن میں جتنے مصیبتوں کے احوال تھے۔ ان سے پناہ مانگی گئی ہے۔
قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۙ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ۙ وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ۙ وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الْعُقَدِ ۙ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ۝
—— مادی وسائل جتنے ہیں ان سے پناہ اس میں مانگ لی گئی —— اصول بتا دیے گئے —— یہ ایسا ہی ہے بالکل یعنی مثال کے طور پر آپ کھیتی بوتے ہیں یا کوئی درخت لگائیں۔ اور وہ کھیتی اوپر کو چڑھے۔ تو جب تک یہ کھیتی آفات سے بچی رہے گی پروان چڑھے گی اگر آفات آ جائیں تو کھیتی مرجھا جاتی ہے، ختم ہو جاتی ہے، تو بعض اوقات کھیتی کو کچھ ایسے جانور لگ جاتے ہیں جو سبزہ خور ہیں اور درختوں کو چاٹ کر برابر کر دیتے ہیں اور کھیتی نیست و نابود ہو جاتی ہے —— کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جانور تو نہ لگے لیکن کھیتی کے جو باقی رہنے کے اسباب ہیں وہ منقطع ہو جاتے ہیں۔ مثلاً کھیتی کا بقا ہوا سے ہے —— اگر ہوا بند ہو جائے کھیتی مرجھا جائے گی —— یا سورج کی دھوپ چاہیے کھیتی کے لیے اگر وہ نہیں ہو گی کھیتی مرجھا جائے گی۔ یا کھلی ہوئی فضا چاہیے اگر بند جگہ میں آپ درخت کو بند کر دیں گے تو وہ مرجھا جائیگا —— تو کھلی فضا ہو —— ہوا ہو —— سورج کی روشنی ہو —— یہ سب چیزیں نشو و نما دیتی ہیں باقی رکھتی ہیں۔
اگر یہ اسباب منقطع ہو جائیں تو کھیتی مرجھا جائے گی —— باقی نہیں رہے گی جب سارے اسباب موجود ہوں کوئی عارض ایسا پیش آ جائے، مثلاً اولے

پڑ جائیں یا برف باری ہو جائے انتہا کی ـــــ تو بنی بنائی کھیتی اس میں خراب ہو جائے گی ـــــ یا یہ بھی نہ پیش آئے ـــــ کھیتی کا جو مالک ہے اس کا کوئی دشمن ہو اس نے گھات لگا کر ساری کھیتی کاٹ کر برابر کر دی ـــــ پھل نہ لانے پائی تھی کہ ایک طرف سے درانتی لے کر صاف کر دی، کاٹ برابر کی ـــــ تو کبھی تو کھیتی برباد ہوئی ـــــ ایسی طبعی مصیبتوں سے ـــــ کوئی جانور لگ گیا، اس نے چاٹ لیا کوئی کیڑا لگ گیا ـــــ کبھی کھیتی برباد ہوتی ہے کہ اسباب بقا موجود نہ رہیں ـــــ کبھی کھیتی برباد ہوتی ہے نشو ونما کے سامان نہ رہیں اور کبھی کھیتی دشمنی میں برباد ہوتی ہے ـــــ یہی چار اصول ہیں کہ اس سے نشو ونما پانے والی چیز تباہ و برباد ہو جاتی ہے ـــــ اسی طرح سے انسان جب پیدا ہوتا ہے اس میں نشو ونما ہے ـــــ وہ بڑھنے والی چیز ہے اس کیلئے تباہ کن بھی اسی قسم کے چار اسباب ہوتے ہیں ـــــ

کبھی تو کچھ ایسی چیزیں اس کے مد مقابل آ جاتی ہیں کہ جن کی فطرت کے اندر یہی ہے کہ نقصان پہنچائیں جیسے سانپ ہے بچھو ہے ـــــ وہ جو ایذا پہنچاتے ہیں تو وہ سوچ سمجھ کر نہیں ہوتی ـــــ طبیعت کا تقاضا یہی ہے کہ ایذا پہنچائیں ـــــ انسان بعض اوقات تباہ ہو جاتا ہے سانپ کے کاٹنے سے، بچھو کے کاٹنے سے یا کوئی درندہ آ گیا اس نے آکر ختم کر دیا۔ تو درندہ کوئی انتقام نہیں لیتا۔ وہ سوچ سمجھ کر ایسا نہیں کرتا ـــــ اس کی طبیعت کا تقاضا ہے کہ حملہ کر دے ـــــ سانپ، بچھو حملہ کر دیتے ہیں ـــــ تو کبھی تو انسان کی زندگی اس طرح خطرہ میں پڑ جاتی ہے کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جو اسباب بقا ہیں جیسے روٹی ہے غذا

کھانا ہے، پینا ہے وہ منقطع ہوجائیں تو انسان کی بقا نہیں رہتی ——— کبھی یہ بھی ملتی رہتی ہے مگر وبا پھیل جائے جس سے آدمی ختم ہوجائے ——— یا وبا نہ پھیلے مگر انسان کا کوئی جانی دشمن ہے وہ گھات پاکر حملہ کردے اور ختم کردے انسان کو ——— یہی اسباب ہوتے ہیں ——— تو ان چاروں اصولی اسباب کی طرف اشارہ کیا گیا۔ قل اعوذ برب الفلق ——— کہہ دیجئے اے نبی کریمؐ! میں پناہ مانگتا ہوں، پناہ میں آتا ہوں ——— کس کی؟ رب الفلق کی ——— جو رات کی تاریکی کو پھاڑ کر صبح کا سپیدہ نمودار کرتا ہے، اس کو قدرت ہے کہ رات کو ختم کردے، دن نکال دے، روشنی پھیلا دے ——— اس قدرت والے کی پناہ میں آتا ہوں کن چیزوں سے؟ من شر ما خلق ایسی چھوٹی چیزوں سے جن کی طبیعت کا تقاضا ہی یہ ہے کہ وہ تخریب کریں ——— سانپ ہے، بچھو ہے، درندے ہیں ——— میں ان سے پناہ مانگتا ہوں ——— من شر ما خلق ومن غاسق اذا وقب ——— اور میں ان چیزوں سے بھی پناہ مانگتا ہوں کہ جو نقصان پہنچا دیں چھپ کر ——— کہ چھپ جائیں اور مجھے نقصان پہنچ جائے ——— سورج چھپ گیا اندھیرا چھا گیا ——— اندھیرے میں چوروں نے آکر نقصان پہنچا دیا ——— کسی نے سازش کی اور تکلیف پہنچائی کسی نے گھات لگا کر کوئی تیر مارا یا کوئی گولی چلا دی۔ اور ختم ہوگیا آدمی چنانچہ اندھیرے میں ایسے کام زیادہ ہوتے ہیں۔ تو سورج کی روشنی غروب ہوجائے اور اس اندھیرے میں میرے لیے نقصان کے سامان پیدا ہوجائیں ——— و من شر غاسق اذا وقب یا یہ چیز نہ پیدا ہو کچھ عوارض پیش آجائیں ——— ومن شر النفثٰت فی العقد ——— تانت اور ڈوروں پر پڑھ پڑھ کر ——— منتر

پڑھ کر دم کرنے والی عورتوں سے پناہ مانگتا ہوں یعنی ساحرانہ عمل اور جادوگری ــــ اس سے بعض وقت آدمی تباہ ہو جاتا ہے ــــ کسی نے عمل سحر کر دیا کسی نے عملیات کر دئے اور اس کی وجہ سے انسان کو نقصان پہنچ گیا ــــ اس سے میں پناہ مانگتا ہوں۔ ومن شر حاسد اذا حسد یا کوئی دشمن ایسا پیدا ہو جائے حاسد ــــ کہ وہ رات دن میری نعمتوں کے زوال کی فکر میں رہے یا ایذا ئیں پہنچاتا رہے تو مطلب یہ ہے کہ مادی نقصانات کے جتنے اصول تھے ان سے پناہ مانگنی سکھلائی گئی قل اعوذ برب الفلق میں ــــ اور روحانی نقصان نورروحانیات میں سب سے بڑی چیز ایمان ہے ــــ ایمان کو نقصان پہنچانے والی چیز وسوسے ہیں، خطرات ہیں، مضر قسم کے خیالات ہیں ــــ بُرے قسم کے عقائد ہیں ــــ شیطانی خیالات ہوتے ہیں ــــ انسان کا عقیدہ بگڑ جاتا ہے، فکر خراب ہو جاتا ہے ــــ ان سے پناہ مانگنی قل اعوذ برب الناس میں سکھلائی

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۙ مَلِكِ النَّاسِ ۙ اِلٰهِ النَّاسِ ۙ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ ۙ الْخَنَّاسِ ۙ الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ ۙ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ۔ میں پناہ مانگتا ہوں اللہ رب العزت سے جو بادشاہ ہے انسانوں کا، پروردگار ہے لوگوں کا اور معبود بھی ہے ــــ کا ہے سے من شر الوسواس ــــ وسوسوں کی برائیوں سے اور وسوسے بھی خناس کی طرف سے جو چھپ کر وسوسے ڈالتا ہے سامنے نہیں آتا ــــ اور وہ انسانوں میں بھی ہے، جنات میں بھی ہے جو قلوب کو فاسد کرتے رہتے ہیں ــــ شکوک و شبہات سے جس سے ایمان میں خلل آتا ہے۔

توبہرحال عرض کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آغاز کیا گیا تھا قرآن کریم کا حمد وثنا سے اور اختتام کیا گیا تعوذ کے اوپر پناہ جوئی کے اوپر ــــ اس لیے کہ حالتیں دنیا میں دو ہی ہیں ــ یا نعمت کی یا مصیبت کی ــ یا راحت کی چیزیں ہیں یا مصیبت ڈالنے والی چیزیں ہیں ــــ تو راحت کی چیزوں پر حمد بتائی گئی اور مصائب کے اوپر تعوّذ اور پناہ مانگنا بتلایا گیا۔ تو ابتدا کی گئی قرآن کریم کی حمد وثنا سے اور انتہا کردی گئی لاکر تعوّذ اور پناہ جوئی کے اوپر ــــ تاکہ انسان یہ محسوس کرے اور بطور جذبہ کے اس کو پیش نظر رکھے کہ میرے کام دو ہی ہیں یا اللہ کا شکر ادا کرنا یا اللہ سے پناہ مانگنا ــــ اس لیے کہ حالات دو ہی ہیں۔ تو بندہ کی بندگی کا تقاضا یہ ہے کہ کوئی لمحہ فارغ نہ ہو کہ وہ شکر نہ کر رہا ہو اللہ کا۔

ایک شکر ادا کرنا عبادت کے واسطے ہے۔ یہ جو نماز پڑھتے ہیں یہ بھی ادائے شکر ہے۔ یہ جو روزہ رکھتے ہیں یہ بھی ادائے شکر ہے۔ صبح و شام آپ تسبیح و تہلیل کریں یہ بھی ادائے شکر ہے کسی بندہ کا شکر کریں کسی نعمت پر وہ ادائے شکر ہے۔ اللہ ہی کے لیے ہے ــ حدیث میں ہے کہ جس نے کسی نعمت دینے والے کے سامنے کہا جزاک اللہ ــــ اس نے نہایت بلیغ طور پہ شکر ادا کر دیا ــ من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ

جو بندوں کا شکر ادا نہ کرے وہ خدا کا بھی شکر گذار نہیں ہوتا

بندوں کی شکر گذاری بھی درحقیقت خدا ہی کی شکر گذاری ہے ــــ کیونکہ ہر نعمت اللہ ہی نے دی ہے جس سے کہ بندوں نے بانٹنا ــــ

غرض شکر، حمد اور ثنا اللہ کی انسان کا اعلیٰ ترین فریضہ ہے۔ قرآن کریم نے

اپنے آغاز میں اس کا اشارہ کر دیا اور انتہا میں اشارہ کیا کہ جب آدمی نعمتیں پائے گا تو نعمتیں چھیننے کے بھی اوقات ہوتے ہیں ـــــ آفات کے بھی اوقات ہوتے ہیں ـــــ ان میں اللہ سے پناہ مانگو ـــــ مصائب میں بھی ـــــ بلیات میں بھی پناہ ـــــ بیماریوں سے بھی پناہ مانگو ـــــ غرضیکہ شیطان سے بھی دجّال سے بھی ـــــ سب چیزوں سے پناہ مانگنی سکھلائی گئی ـــــ

ظاہر ہے کہ جو بندہ ہر وقت شکر گذار ہے اور ہر وقت اللہ کی پناہ میں آتا ہے اس سے زیادہ محفوظ کون بندہ ہوگا ـــــ اور جو بندہ شکر گذار نہ ہو اور پناہ بھی نہ ڈھونڈھے خدا کی تو اس کو ہر وقت مصیبتیں گیند کی طرح اچھالتی رہتی ہیں اور وہ لڑھکتا رہتا ہے ـــــ تو محفوظ وہی رہے گا جو شکر ادا کرے، اللہ کی پناہ میں آجائے اور مصائب سے بچے ـــــ مصیبتوں سے بچنے کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ اسے کبھی بخار نہ آئے ـــــ کبھی اسے نزلہ اور کھانسی نہ ہو کبھی اسے کوئی تکلیف نہ ہو ـــــ مصیبت سے بچنے کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ اس کا قلب اتنا مطمئن اور مگن ہو کہ ہزاروں مصیبتیں بھی آئیں اور قلب اس کا اثر نہ لے ـــــ تو مصیبت اور نعمت قلب کی صفت ہے ـــــ اگر انسان پراگندہ خاطر بن گیا تو وہ مصیبت زدہ ہے ـــــ اور اگر ہزاروں مصیبتیں ارد گرد منڈلا رہی ہیں اور قلب اس کا مطمئن اور مگن ہے ـ تو ذرہ بھر بھی مصیبت زدہ نہیں ـــــ مصیبت کے معنی یہ نہیں ہیں کہ اسباب مصیبت جمع ہو جائیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس سے قلب اثر پذیر ہو جائے ـــــ مجھے اس وقت حکایت یاد آئی ہے ـــــ موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ ہے ـــــ علمائے اسلام میں ایک بہت بڑے عالم گذرے ہیں

— شیخ عبدالکریم جیلی — یہ بہت بڑے محقق ہیں۔ اور جیسے کہ صوفیاء ہیں شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ جیں اسی انداز سے وہ بھی ہیں — بہت بڑے بڑے حقائق انہوں نے ذکر کئے ہیں — انہوں نے کتاب لکھی ہے "الانسان الکامل" — اس میں تمام انسانی کمالات کی انہوں نے صورتیں پیش کی ہیں — اور لکھا ہے کہ تین صورتوں میں انسان کامل بن سکتا ہے — اس میں ایک واقعہ نقل کیا ہے افلاطون کے بارے میں — افلاطون کو ہم تو یہی سمجھتے تھے کہ یونان کا ایک حکیم ہے — مشہور حکیم — وہ ذکر کرتے ہیں کہ میں افلاطون کی قبر پر گیا تو وہ قبر انوار و برکات سے بھری ہوئی تھی — اس سے معلوم ہوتا ہے کہ افلاطون کوئی مقبولانِ بارگاہ الٰہی میں سے ہوگا — واللہ اعلم — بہرحال انہوں نے افلاطون کا ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ اس نے زمانہ پایا ہے موسیٰ علیہ السلام کا — لیکن اس کا تعارف نہیں تھا موسیٰ علیہ السلام سے اور نہ موسیٰ علیہ السلام پہچانتے تھے کہ یہ یونان کا حکیم ہے — کسی موقع پر باہم ملاقات ہوئی — مڈبھیڑ ہوئی — ادھر سے موسیٰ علیہ السلام تشریف لا رہے تھے اُدھر سے افلاطون — ملاقات ہوئی تو افلاطون سمجھ گیا کہ کوئی بڑی شخصیت ہے — یہ تو نہیں جانتا تھا کہ یہ پیغمبر ہے مگر چہرہ کا جلال اور رعب اور آثارِ نبوت دیکھ کر یہ ضرور سمجھ گیا کہ کوئی بڑی شخصیت ہے — تو آپ اور افلاطون نے مصافحہ کیا اور یہ کہا کہ مجھے معلوم ہوتا ہے — اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کی شخصیت کوئی بہت بڑی شخصیت ہے — اور علم و فضل اور حکمت آپ کے چہرہ پر برس رہا ہے — میرا ایک سوال ہے — میں،

برسوں سے الجھا ہوا ہوں ــــ بڑے بڑے حکماء سے میں نے سوال کیا مگر کوئی جواب نہیں دے سکا ــــ مجھے امید ہے کہ آپ جواب دے سکیں گے۔

موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ــــ کیا سوال ہے؟ اس نے کہا سوال یہ ہے کہ اگر آسمان کو کمان فرض کیا جائے اور مصیبتیں جو بہت ہی ہیں آسمان سے انہیں تیر فرض کیا جائے اور اللہ میاں کو تیر چلانے والا فرض کیا جائے تو شکل یہ بنتی ہے کہ اللہ میاں آسمان کی کمان سے مصیبتوں کے تیر چلا رہے ہیں۔ تو پناہ کی صورت کیا ہے؟ کہاں پناہ لے آدمی ــــ کس طرح سے بچے ان چیزوں سے؟

یہ چاہتا ہوں میں جواب ــــ خدا تیر چلا رہا ہے، آسمان کمان ہے مصیبتوں کے تیر برس رہے ہیں۔ تو ان مصیبتوں سے بچنے کی صورت کیا ہے؟ ظاہر ہے کہ بظاہر تو کوئی صورت معلوم نہیں ہوتی ــــ عقل تو یہی کہے گی کوئی شکل نہیں بچنے کی اس لیے کہ اوّل تو مصیبتیں انسان کے جگر میں پیوست ہیں ــــ کہاں تک بچے گا انسان ــــ لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِي كَبَدٍ ۔ پیدا ہی کیا گیا ہے انسان مصیبتوں کے لیے ــــ لیکن اگر کوئی تھوڑا بہت بچ بھی جائے تو آسمان کی کمان کے نیچے سے نکل کر کہاں چلا جائے گا آدمی ــــ اگر مان لو کہ کوئی راستہ نکل آیا ہے ــــ آسمان سے نکل کر بھاگ گیا ہے آدمی تو خدا کی حکومت سے نکل کر تو کہیں نہیں جا سکتا ــــ جب تیر چلانے والے اللہ میاں ہیں تو ان کے تیر سے کیسے بچ سکے گا آدمی ــــ تو عقل تو یہی فتویٰ دیگی کہ کوئی صورت نہیں بچاؤ کی ــــ تو افلاطون نے عقلاء سے، عقلمندوں سے، دانش مندوں سے، حکماء سے پوچھا ــــ سب نے کہا کوئی صورت نہیں بچنے کی۔ تو اس نے یہی سوال کیا موسیٰ علیہ السلام

سے ——

موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔ بڑی آسان بات ہے — بچنے کی صورت یہ ہے کہ جب تیر چلانے والا تیر چلائے تو تیر چلانے والے کے پہلو میں آ کھڑا ہو آدمی — اسے تیر لگے گا ہی نہیں —

یہ ہے بچاؤ کی صورت — تو اللہ کے پہلو میں آجائے — اور اللہ کا پہلو کیا ہے — اللہ تعالےٰ تو جسم سے پاک اور بری ہیں —

اللہ کا پہلو ہے ذکر اللہ اور یاد خداوندی — یعنی جتنا کوئی شخص ذکر الٰہی کرتا جائے گا مصائب سے اسے نجات ہوتی جائے گی — یہ مطلب نہیں مصائب سے نجات ہونے کا کہ ذکر کرنے والے کو بیماریاں نہیں آئیں گی اسے مصائب نہیں آئیں گے — بلکہ حدیث سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ جتنا زیادہ ذکر کرنے والا ہے مصائب اس پر زیادہ ہجوم کرتے ہیں —

حدیث :- اشد البلاء علی الانبیاء ثم الامثل فالامثل

ترجمہ :- سب سے زیادہ مصیبتیں آتی ہیں انبیاء علیہم السلام کے اوپر — اور پھر جو جتنا مشابہ ہے انبیاء علیہم السلام کے وہ اتنا ہی زیادہ مصیبت زدہ ہو گا۔

نزدیکاں را بیش بود حیرانی

جو جتنا مقربانِ بارگاہ حق ہوں گے مصائب ان پر زیادہ ہوں گے — حدیث میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے آپ سے محبت ہے" — بعض صحابہ نے بھی یہی عرض کیا کہ "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہمیں آپ سے محبت ہے" — فرمایا "سوچ سمجھ کے کہو —

کیا کہتے ہو؟ بہت بڑا دعویٰ کرتے ہو بڑی ذمہ داری لے رہے ہو ——
عرض کیا، "واقعہ یہی ہے یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ سے محبت ہے"
فرمایا، "اگر ہم سے محبت ہے تو تیار ہو جاؤ فقر و فاقہ کے لیے مصیبتوں کے لیے اور غم والم کے لیے" اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ جتنے اولیا ہیں —— اور جتنے مقربان بارگاہ الٰہی ہیں —— دنیا کے مصائب ان پر زیادہ آتے ہیں —— تو اسی لیے یہ جو کہا موسیٰ علیہ السلام نے کہ جو اللہ کے پہلو میں آجائے —— ذکر اللہ میں آجائے گا مصیبتوں سے بچ جائیگا —— اس کا مطلب یہ نہیں —— اس کو بیماری نہیں آئے گی —— اس کو غم نہیں آئے گا —— بلکہ اس کا مطلب یہ ہے قلب اتنا مطمئن ہوگا کہ اگر ہزاروں مصیبتیں بھی آئیں قلب کے اوپر تو کوئی اثر نہیں ہونے پائے گا وہ بشاش بشاش رہے گا۔

مصیبت اصل میں قلب کی صفت ہے بخار کی صفت نہیں —— بخار تو سبب مصیبت ہے —— اگر دل اثر لے مصیبت کا تو مصیبت زدہ ہے اثر نہ لے تو نہیں —— اس لیے فی الحقیقت نہ تو بیماری مصیبت ہے نہ ناداری اور مفلسی مصیبت ہے۔

دل کے اوپر اثر ہونا —— پراگندگی اور قلب میں بے چینی کا پیدا ہونا یہ ہے مصیبت —— اگر بے چینی نہ ہو تو مفلسی کوئی مصیبت نہیں ——
بہت سے اولیائے کرام نظر پڑینگے کہ ایک پائی بھی ان کے ہاتھ میں نہیں مگر بادشاہوں سے زیادہ مگن رہتے ہیں —— ہزاروں اہل اللہ نظر پڑینگے کہ بیماریاں ان پر بے حد ہیں —— مگر قلب ان کا بشاش بشاش —— ذرا برابر ان پر اثر نہیں

—— ان کے واقعات میں لکھا ہے کہ خواجہ نظام الدین دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں ایک تاجر دیوالیہ ہوگیا —— اس بیچارے کی دوکان وغیرہ سب تباہ ہوگئی ہاتھ پلے کچھ نہ رہا —— گھر کا سامان بیچ بیچ کر کھانا شروع کر دیا۔ چند دن کے بعد وہ سامان بھی ختم ہوگیا۔ اس کے گھر میں ایک باندی تھی —— وہ گیارہ برس کی بچی تھی —— اس نے ارادہ کیا کہ اس کو فروخت کر دے —— اس لڑکی سے کہا میں چاہتا ہوں تجھے فروخت کر دوں" اس نے کہا کہ فروخت کرنے میں تو کوئی حرج نہیں —— بہر حال آپ مالک ہیں —— مگر میں یہ چاہتی ہوں کہ کسی دیندار کے ہاتھ فروخت کرنا تاکہ میرا دین نہ ضائع ہو —— اس نے کہا "اس زمانہ میں سب سے بڑے دیندار خواجہ نظام الدین دہلوی ہیں۔ میں ان کے ہاتھ فروخت کئے دیتا ہوں" —— اس نے کہا۔ مجھے اعتماد نہیں —— جب تک خود نہ دیکھ لوں کہ بے بھی نظام الدین دیندار یا نہیں" ——

اب وہ حیران ہوا کہ اس لڑکی کی نگاہ میں حضرت نظام الدین بھی دیندار نہیں یا انہیں بھی پرکھنے کی ضرورت ہے تو اور کون ہوگا دنیا میں دیندار —— بہت حیران ہوا اور حضرت خواجہ صاحب کی مجلس میں پہنچ گیا جا کر —— خواجہ صاحب نے فرمایا۔

"بھئی! کیا حال ہے؟" عرض کیا "حضرت! ایک عجیب مصیبت میں مبتلا ہوں —— میری ایک باندی ہے جسے فروخت کرنا چاہتا تھا —— اس نے مجھ سے یہ کہا کہ مجھے کسی دیندار کے ہاتھ فروخت کرنا —— میں نے حضرت کا نام

لیا ــ تو اس نے مجھ سے کہا کہ مجھے یوں اعتماد نہیں ہوتا کہ جب تک میں خود نہ پرکھ لوں کہ یہ بھی دیندار کہ نہیں ــــ لسے تو آپ کے دین میں بھی شبہ ہے ــــ اور کہاں سے ایسا دیندار لاؤں جو بے شک و شبہ دیندار ہو"

فرمایا "کیا حرج ہے ــ اُسے چھوڑ دو میرے یہاں وہ پرکھ لے میرے دین کو ــــ اگر واقعی میں دیندار ثابت ہوا تو تم میرے ہاں اس کو چھوڑ دینا۔ میں خرید لوں گا" ــــ وہ لڑکی لاکر چھوڑ دی گئی خواجہ صاحب کے ہاں ــــ تین دن کے بعد جاکر تاجر نے لڑکی سے پوچھا کہ تم نے حضرت کو کیسا پایا یعنی خواجہ نظام الدین دہلوی کو ــــ اس نے کہا "مجھے تو شک ہے اس شخص کے دین میں ــ میرے نزدیک یہ دیندار نہیں"

وہ حیران رہ گیا تاجر ــ کہ جب خواجہ نظام الدین بھی دیندار نہیں تو اور دنیا میں کہاں سے دیندار آئینگے ۔ اس لڑکی سے کہا "بھئی ــ کیا علامت دیکھی تو نے ؟"

اس نے کہا ۔ دیندار کی پہلی علامت یہ ہے کہ اس کو لقمۂ حلال میسر ہو ــ میں دیکھتی ہوں یہاں لنگر کا کھانا پکتا ہے ــ اور یہ مسکینوں کا حق ہے ــ خواجہ نظام الدین کا کوئی چولہا الگ نہیں ــ کوئی گھر الگ نہیں ــ ظاہر ہے کہ اس میں سے وہ بھی کھاتے ہونگے ــــ یہ ہے مسکینوں کا حق ــ خواجہ نظام الدین مستحق نہیں ہیں اس غذا کے ــــ تو جس شخص کی غذا ہی حلال نہیں ۔ وہ دیندار کیسے ہو سکتا ہے ــــ چہ جائیکہ اسے بزرگ مانا جائے ــــ

دوسری بات یہ ہے ــــ دیندار وہ ہے ــ تین دن نہ گذرنے پائیں

کو کوئی نہ کوئی مصیبت نہ آجائے اس کے اوپر ـــ اس واسطے کہ حق تعالےٰ
اس کی بدیوں کا کفارہ دنیا میں کرنا چاہتے ہیں تاکہ آخرت میں پاک صاف
اٹھائیں ـــ دنیا میں مصائب ڈالتے ہیں کہ اس کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے
ـــ وہ پاک بن جائے ـــ تو مومن کی شان تو یہ ہے ۔ اس کے اوپر تین دن
نہ گذریں کہ کوئی نہ کوئی مصیبت ـــ کوئی غم ـــ کوئی فکر ایسا نہ طاری ہو جس سے
کفارہ ہو ـــ اس کی مغفرت ہو ـــ تو میں دیکھتی ہوں کہ یہ شخص ہٹا کٹا ہے ـــ
خواجہ نظام الدین نہ کبھی بیمار ہوا ـــ نہ کوئی غم نہ مصیبت ـــ یہ کیا دیندار ہے
کہ جس کے اوپر کوئی مصیبت ہی نہیں آتی ـــ یہ تو عیش میں مبتلا ہیں ـــ
ـ تیسری بات اس نے کہی ـــ دینداری کی علامت یہ ہے کہ اس کو
برا کہنے والے زیادہ ہوں ـــ بھلا کہنے والے کم ہوں ۔ اس واسطے کہ وہ امر
بالمعروف کرے گا لوگوں کی طبیعت کے خلاف ہوگا ـــ لوگ مدِّ مقابل
آئیں گے ـــ بُرا بھلا کہیں گے ـــ دشمن زیادہ ہوں گے دوست کم ـــ
جو بہت سمجھدار ہوں گے وہ تو شکر گزار رہیں گے کہ بھئی نیک نصیحت کر رہا
ہے ـــ لیکن جو جذباتی لوگ ہوں گے وہ یقیناً مقابلہ پہ آئیں گے اور مقابلہ
کرینگے ـــ دیندار وہ ہے کہ جس کے دوست کم ہوں دشمن زیادہ ـــ
مدِّ مقابل زیادہ ہوں موافق کم ہوں ـــ تو لڑکی نے کہا ـــ میں دیکھتی ہوں نظام
الدین کو کہ صبح سے شام تک کوئی اسے حضور کہتا ہے کوئی حضرت کہتا ہے ،
کوئی جناب عالی کہتا ہے ـــ برا کہنے والا ایک بھی معلوم نہیں ہوتا ـــ اس
شخص میں مداہنت ہے اور یہ امر بالمعروف نہیں کرتا ورنہ لوگ دشمن ہوتے

اس کے ــــ سچی نصیحت کرنے والے کے مقابلہ پہ آنے ہیں لوگ ــــ اب وہ بیچارہ تاجر حیران تھا کہ یا اللہ ــــ ایسا دیندار میں کہاں سے لاؤں کہ جب خواجہ نظام الدینؒ بھی دیندار نہیں ــــ

خواجہ صاحب نے اس تاجر سے پوچھا "لڑکی نے کیا رائے قائم کی ہے میرے متعلق" تو اس نے کہا "ــــ میں تو زبان سے کہہ بھی نہیں سکتا ــــ اس کی نظر میں آپ دیندار نہیں ہیں" ــــ فرمایا کہ کیا بات کہی اس نے ــــ تاجر نے تینوں باتیں بیان کیں ــــ ایک تو دیندار کی شان یہ ہے کہ اسے لقمۂ حلال میسر آئے دوسرا اشکال یہ ہے کہ آپ پر مصائب نہیں آتے ــــ اور مومن کی شان یہ ہے کہ اسے مصیبت آئے تیسری بات اس نے یہ کہی کہ آپ کی تعریف کرنے والے زیادہ ہیں اور برائیاں کرنے والے کم ہیں ــــ یہ علامت ہوتی ہے کہ مداہنت ہے ــــ سچائی میں بلا خوف لومۃ لائم نصیحت کرنے کی عادت نہیں ــــ فرمایا کہ اچھا تین دن اور چھوڑ دو اسے اس کے بعد جو رائے قائم کرے اس پر تم رائے قائم کر لینا اس نے تین دن پھر چھوڑ دیا۔

حضرت خواجہ صاحب نے اس لڑکی کو بلایا ــــ اپنا حجرہ دکھلایا ــــ اس حجرے میں دو تین گٹھے پڑے ہوئے تھے لکڑیوں کے ــــ فرمایا ــــ ایک میں ہوں اور ایک میرا ساتھی ہے ــــ میں نے دن میں ایک وقت مقرر کر رکھا ہے کہ جنگل میں جا کر لکڑیاں کاٹ لاتا ہوں ــــ اور میرا ساتھی ہے وہ بیچتا ہے ــــ کسی دن وہ لکڑیاں کاٹ کے لاتا ہے میں بیچ آتا ہوں ــــ اس سے جو چار یا پانچ پیسے ملتے ہیں اس پر میری گذراوقات ہے، ــــ یہ چولہا بنا ہوا ہے

— لنگر کا ایک حبّہ بھی میرے اندر نہیں پہنچتا — یہ ہے میری گزر اوقات کا ذریعہ — لکڑیاں کاٹ کر میں لاتا ہوں تو ساتھی بیچتا ہے کبھی وہ کاٹتا ہے میں بیچتا ہوں — تو میرا لنگر سے کوئی دخل نہیں — یہ مسکینوں کا کھانا ہے —
اس نے کہا مجھے اس بارے میں اطمینان ہو گیا کہ تو دیندار آدمی ہے —
اس کے بعد حضرت شیخؒ نے کمر کا اوپر سے کرتا اٹھایا — فرمایا ۳۲ برس سے ناسور ہے میری کمر میں — اور ہر وقت کیفیت یہ ہے کہ جیسے سینکڑوں بچھو ڈنک مار رہے ہیں — تو جو کہتی ہے تین دن نہ گذریں جو مصیبت نہ آئے — تو مجھ پر تو ایک لمحہ نہیں گذرتا کہ مصیبت نہ ہو میرے اوپر — ہر وقت ایک ٹیس لگی ہوئی ہے — ٹیس اور چمک ہر وقت ہے کوئی منٹ خالی نہیں ہے — اس نے کہا — اب میری سمجھ میں آیا کہ تو دیندار ہے — اس بارے میں مجھے اطمینان ہو گیا — اس کے بعد شیخؒ نے کہا — کہ میرے ساتھ چل — لکڑیوں کا گٹھا سر پہ رکھ کر ایک غیر معروف بازار میں پہنچے — دیکھنے کے لیے — رات کا وقت — لوگوں نے آوازے کسنے شروع کئے — یہ ہیں اس دور کے ولی — کہ لڑکیاں پیچھے پیچھے جا رہی ہیں اور راتوں کماتے ہیں پیسے — صبح کو پیر بن کر بیٹھ جاتے ہیں دنیا کے آگے — یہ حال ہے — دنیا میں مکّار ہو گئے ہیں لوگ — کہتے ہیں اپنے کو ولی اور ہیں حقیقت میں مکار — دن میں مرید کرتے ہیں اور رات کو پیسے کماتے پھرتے ہیں — کہیں لکڑیاں بیچ کے کہیں یہ کر کے — جس کی جو آواز اٹھی اس نے وہ کہا — کسی نے برا کہا — کسی نے گالی دی — کسی نے مکّار کہا۔

شیخؒ نے ہنسی سے کہا — سنتی جا — سب حضرت ہی حضرت کہنے والے ہیں یا مکار کہنے والے بھی ہیں — لڑکی نے کہا کہ اس بارے میں بھی مجھے اطمینان ہو گیا —

میرے عرض کرنے کا مطلب یہ تھا مومن کی شان یہ ہے کہ اس کے اوپر آفات بھی آتی ہیں — مصائب بھی آتے ہیں — تو یہ مطلب نہیں تھا موسیٰ علیہ السلام کا کہ کوئی مصیبت نہیں آئے گی جب تم اللہ کی پناہ میں آؤ گے — مطلب یہ تھا مصیبتوں کا ہجوم ہوگا — اللہ کے پہلو میں آنے کا مطلب یہ ہے کہ تمہارا قلب اس درجہ ذکر اللہ میں مگن اور مطمئن ہوگا کہ لاکھوں مصیبتیں آجائیں کوئی اثر نہیں پڑے گا قلب کے اوپر — قلب ہشاش اور بشاش رہے گا — یہ سمجھو گے کہ منجانب اللہ مجھے یاد کیا جا رہا ہے — محب اور عاشق اس میں بھی لذت لیتا ہے — جو محبوب کی طرف سے مصیبت، ڈالی جاتی ہے اس میں بھی اسے لذت محسوس ہوتی ہے۔

حضرت عمران ابن حصین ایک صحابی ہیں جلیل القدر — ۳۲ برس تک ناسور رہا ہے ان کے پہلو میں — ایک پہلو لیٹے رہتے تھے چت — چت ہی لیٹے ہوئے کھانا پینا چت ہی لیٹے لیٹے نمازیں پڑھنی — چت ہی لیٹ کر قضائے حاجت کرنی اور ۳۲ برس تک —

اندازہ کیجیے کتنی شدید تکلیف ہوگی — ۳۲ برس ایک پہلو پر لیٹا رہے آدمی کتنی اذیت ہوگی؟

اب اذیت کا تو یہ حال ہے — مگر چہرہ اتنا ہشاش بشاش کہ کسی

تندرست کا بھی اتنا نہ ہوگا ـــــ

لوگوں نے عرض کیا" حضرت! مصیبت اور اذیت تو اتنی کہ کوئی منٹ خالی نہیں کہ آپ کو اذیت نہ ہو ـــــ اور چہرہ پر اتنی بشاشت ہے کہ کسی تندرست کے چہرہ پر دیکھنے میں بھی نہیں آئی ـــــ یہ کیا بات ہے ؟ فرمایا مصیبت حق تعالٰی کی طرف سے آئی ہے ـــ میں نے اللہ کا عطیہ سمجھ کر اس پر صبر کیا ہے اس صبر کا نتیجہ یہ ہے کہ میں اپنے اس بستر پر ۲۴ گھنٹے مصافحہ کرتا ہوں ملائکہ علیہم السلام سے ـــــ ۲۴ گھنٹے عالم غیب منکشف ہے میرے اوپر ـــــ تو میں نہیں چاہتا کہ میری مصیبت ایک لمحہ کے لیے بھی مجھ سے ٹلے ـــــ اس مصیبت ہی کا طفیل ہے کہ عالم غیب کے علوم میرے اوپر کھلتے ہیں ـــــ اور عالم غیب کے رجال میرے سامنے آتے ہیں ـــــ تو میں کہتا ہوں کہ اس مصیبت سے ان کے قلب کو کیا اذیت پہنچے ـــــ

قلب اتنا مطمئن ہے کہ نعمت والوں کا قلب بھی اتنا مطمئن نہ ہو ـــــ تو اللہ والوں کا قلب مطمئن ہوتا ہے ذکر اللہ کے سبب سے ـــــ یہ مطلب نہیں ہوتا کہ کوئی مصیبت ان پر نہیں آتی بلکہ سب سے زیادہ مصیبت آتی ہے ـــ مگر ذرا تنگ نہیں ہوتے ـــ قلب ان کا مگن ہے، مطمئن ہو بشاش ہے بشاش ہے۔ اس واسطے کہ ان کی نظر مصیبت پر نہیں ہوتی مصیبت بھیجنے والے پر ہوتی ہے کہ وہ ـــــ وہ ہے جو ماں باپ سے بھی زیادہ شفیق ہے یقیناً بندے کی مصلحت ہے اس میں ـــــ اسی لیے اس نے مصیبت بھیجی ـــ

جس کی نظر حق تعالیٰ پر ہوگی، پھر وہ نہ نعمت کو دیکھے گا نہ مصیبت کو۔۔۔ وہ نعمت بھیجنے والے کو دیکھے گا، مصیبت ڈالنے والے کو دیکھے گا۔ کہ وہ یقیناً ماں باپ سے بھی زیادہ مہربان ہے۔۔۔ جب اس نے یہ مصیبت ڈالی ہے یقیناً یہ مصیبت ہی میرے حق میں بہتر ہے۔

واقعہ بھی یہی ہے کہ اللہ کی طرف سے کوئی چیز مصیبت بن کر نہیں آتی بندے کے اوپر۔۔۔ نعمت ہی بن کر آتی ہے۔۔۔ مگر بندہ اپنی کمزوریوں کی وجہ سے اُسے مصیبت بنا لیتا ہے۔۔۔ نہ ناداری مصیبت ہے، نہ مفلسی مصیبت ہے، نہ بیماری مصیبت ہے۔۔۔ ہم اپنی تنگ ظرفی سے مصیبت بناتے ہیں۔ اللہ کی طرف سے نعمت ہی بن کر آتی ہے۔۔۔ اس لیے کہ کوئی مصیبت نہیں جس میں کفارہ نہ ہو معاصی کا۔۔۔ اور جو گناہوں کا کفارہ کرے وہ مصیبت کب ہوئی؟ وہ تو نعمت ہوئی۔۔۔ کوئی مصیبت ایسی نہیں جس میں ترقی درجات نہ ہو۔۔۔ تو جو چیز ترقی درجات کا سبب بنے وہ تو نعمت ہوئی۔۔۔ مصیبت کیسے ہوئی؟۔۔۔ تو حقیقت میں جن کو ہم مصیبتیں کہتے ہیں وہ بھی نعمتیں ہیں اور نعمتیں تو ہیں ہی نعمتیں۔۔۔

اللہ کی طرف سے سب چیزیں نعمتیں بن کر آئی تھیں۔۔۔ کسی نعمت کی صورت بھی نعمت کی ہے کسی نعمت کی صورت مصیبت کی ہے۔۔۔ ہیں دونوں نعمتیں۔۔۔ اس لیے کہ بندہ کے حق میں مفید ہیں۔۔۔ اگر سمجھے بندہ۔۔۔ اگر تنگ ظرفی برتے، نعمت بھیجنے والے کو نہ دیکھے تو پھر بیشک وہ تنگی میں مبتلا ہو۔۔۔

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا ایک واقعہ سنایا۔۔۔ فرمایا کہ میں بیٹھا ہوا تھا مکہ معظمہ میں۔۔۔ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب

قدس اللہ سرہٗ کی مجلس میں ــــ اپنے شیخ کی مجلس میں ــــ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ وعظ فرما رہے تھے۔ کہ اللہ کی طرف سے جو چیز آتی ہے نعمت ہو کر آتی ہے ــــ بندے اسے مصیبت بنا لیتے ہیں خرچ بھی نعمت ہیں ــــ بیماریاں بھی نعمت ہیں ــــ تنگدستی بھی نعمت ہے ــــ فکر و غم بھی نعمت ــــ اگر صابر ہو بندہ تو وہ انتہائی عظیم نعمت ہے اپنے نتیجہ کے لحاظ سے ــــ یہ وعظ فرما رہے تھے ـ کوئی چیز ہے ہی نہیں مصیبت ــــ بندہ کو شکر ادا کرنا چاہیئے ــــ فرماتے تھے۔ کہ حضرت یہ وعظ فرما ہی رہے تھے کہ ایک شخص داخل ہوا مجلس میں ــــ اور ہائے ہائے کرتا ہوا ــــ روتا ہوا ــــ چلاتا ہوا۔ اب اس نے آکر عرض کیا حضرت ! ایک ہفتہ سے یہ میرے بازو پر ایک بڑا دنبل نکلا ہوا ہے ــــ اور اتنی اذیت ہے کہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ بیسیوں بچھو بیٹھے ہوئے ڈنک مار رہے ہیں ــــ ایک ہفتہ ہو گیا نہ ایک دانہ میرے منہ میں گیا ہے نہ میری آنکھ لگی ہے ــــ نیند بھی اڑ گئی ــــ بھوک بھی نہیں ــــ ہر وقت مصیبت میں ہوں۔ دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ یہ مصیبت رفع کر دے"۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے میں نے دل میں سوچا اب حضرت کیا کرینگے؟ حضرت یہ فرما چکے ہیں کہ ہر چیز اللہ کی طرف سے نعمت بن کر آتی ہے ــــ یہ دنبل بھی نعمت ہے بیماری بھی نعمت ہے ــــ اب اگر حضرت یہ دعا فرما دیں کہ اے اللہ! یہ دنبل بہت بڑی نعمت ہے اس میں اور زیادہ ٹیس بڑھا دے زیادہ چمک پیدا کر دے۔ تو اضافۂ مصیبت کی دعا یہ کون سی شفقت کی بات ہے ــــ اور اگر حضرت یہ دعا کر دیں کہ یا اللہ! یہ بڑی مصیبت ہے اسے دفع کر دے ــــ

تو اس کا مطلب یہ نکلا کہ اے اللہ! جو نعمت دی تھی۔ وہ چھین لے — تو سلب نعمت کی دعا یہ کون سی شفقت کی بات ہے" — تو فرماتے تھے کہ میں نے دل میں سوچا کہ حضرت کچھ توجیہہ تاویل کر کے پیچھا چھڑائیں گے۔ کیا جواب دیں گے اسے؟ اس واسطے کہ بڑا دنبل ہے بے حد تکلیف ہے — وہ کہہ رہا ہے دعا کیجئے۔ تو دعا کریں گے کیا؟ — ازالہ کی دعا کریں تو ازالۂ نعمت کی دعا ہے — اضافہ کی دعا کریں تو اضافۂ مصیبت کی دعا ہوتی ہے اور یہ دونوں چیزیں شفقت کے خلاف ہیں — تو اب حضرت مجبور ہو کر رہ جائیں گے — مگر ؎

پیش اہل دل نگہدارید دل
تا نباشد از گمانِ بد خجل

اہل اللہ کے سامنے دل کو تھام کے رہنا چاہئے — دل کی باتیں ان کے دل پر منکشف ہوتی ہیں — حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے قلب میں جو خطرات گذرے ان کا انکشاف ہوا حضرت حاجی رحمۃ اللہ علیہ کے قلب کے اوپر — کہ ان کے دل میں یہ خطرات گذر رہے ہیں — ان خطرات کو محسوس کر کے حضرت حاجی صاحبؒ نے زور زور سے دعا مانگنی شروع کی تاکہ دعا بھی ہو اور جواب بھی ہو جائے ان کے خطرات کا — دعا مانگنی شروع کی بآواز بلند کہ اے اللہ! یہ جو دنبل ہے اس بندے کے بازو پر نکلا ہوا یہ تیری بڑی بھاری نعمت ہے۔ اور یہ جو ٹیس چمک ہے اس میں یہ تو اور بھی بڑا انعام ہے — تیری عنایت کی دلیل ہے — تیری توجہ کی دلیل ہے — تو نے اس کے ذریعہ کفارہ کیا ہے اس کے گناہوں کا — درجات بڑھائے — یہ تیری بڑی نعمت ہے — اے اللہ یہ دنبل ہے بھی نعمت

— اس کی ٹیس چمک بھی نعمت اور یہ جو بے چارا ہفتہ بھر سے بھوکوں مر رہا ہے یہ
بھی تیرا انعام ہے اس کے اوپر — یہ ساری نعمتیں ہیں — مگر اے اللہ! یہ بندہ ذلیل
ہے بیماری کی نعمت کا تحمل نہیں اسے — اس بیماری کی نعمت کو صحت کی
نعمت سے تبدیل فرما دے اس کا تحمل ہو جائے اس کو — گویا اس کا نعمت ہونا بھی
ثابت کر دیا اور اس کے ازالے کی دعا بھی کر دی — یہ بتلا دیا کہ نعمتیں سب ہیں اللہ کی
طرف سے مگر ہر نعمت کے قابل ہر بندہ نہیں — کوئی مصیبت کی نعمت کو سہتا
ہے کوئی لذت کی نعمت کو سہتا ہے — یہ اللہ جانتا ہے کہ میں کس کو کون سی نعمت
کے ذریعہ تربیت دوں — بعضے وہ ہیں اگر چار پیسے ان کے ہاتھ میں آ جائیں تو
آپے سے باہر ہو کر فرعون بے سامان بن جاتے ہیں — حق تعالیٰ ان کی تربیت
تنگ دستی سے کرتے ہیں کہ وہ مصیبت ہی میں ٹھیک ہیں — مصیبت ہی میں
ان کا ایمان سنبھل سکتا ہے — اگر ان کو دولت دی جائے تو کفر میں مبتلا ہو
جائیں — فسق و فجور میں مبتلا ہو جائیں بعض بندے وہ ہیں کہ اگر ان کے پاس پیسہ
نہ ہو تو کاد الفقر ان یکون کفرا — ان کا فقر و فاقہ انہیں کفر میں مبتلا کر دے —
تو ان کو نعمت کے ذریعہ سے حق تعالیٰ تربیت دیتے ہیں — یہ تو دارو دینے والا
جانتا ہے طبیب کہ کس کے واسطے کون سی دوا مفید ہے — تو آزمائش دنیا
نعمت کے ذریعہ بھی ہوتی ہے مصیبت کے ذریعہ بھی — بعض بندوں کو مصائب
کے ذریعہ سے ترقی دیتے ہیں بعض بندوں کو نعمت کے ذریعہ سے — بعضوں سے
صبر کرا کے درجات بڑھاتے ہیں بعضوں سے شکر کرا کے — غرضیکہ ہر بندہ ہر
ہر نعمت کے قابل نہیں ہوتا — تو حضرت نے دعا میں بتلا دیا کہ دنیل اور بیماری

نعمت تو ہیں مگر ہر بندہ اس قابل نہیں ہے کہ اس نعمت کا تحمل کرے — اس واسطے اس بیماری کی نعمت کو صحت کی نعمت سے بدل دیجئے — اس کا تحمل ہوگا اس کے اندر دونوں چیزوں کا نعمت ہونا ثابت کر دیا —

حضرت تھانویؒ فرماتے تھے بس منہ دیکھتا رہ گیا حضرت کا کہ کنویں، پھانسی کے بیچ میں سے کیسے صاف نکل گئے۔ بات بھی کہہ دی — اس کا نعمت ہونا بھی ثابت کر دیا — اس کے زوال کی بھی دعا کر دی — اور پھر بھی گویا شفقت کے خلاف نہ ہوا —

حاصل یہ ہوا کہ مصائب کا نام مصیبت نہیں ہے فی الحقیقت مصیبت نام ہے قلب کی کیفیت کا — اگر ان تنگدستیوں اور مصائب سے قلب پراگندہ ہو تو وہ مصیبت زدہ ہے انسان — اور اگر قلب میں بے چینی نہ ہو تو قطعاً مصیبت نہیں — چاہے ہزاروں مصیبتیں اس کے گرد منڈلا رہی ہوں — اس واسطے مصیبت نام ہے قلب کی کیفیت کا —

تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا — مصیبت کے تیروں سے بچنے کی صورت یہ ہے کہ جب اللہ میاں تیر ماریں مصیبت کا تو ان کے پہلو میں آ جاؤ — یعنی ذکر اللہ کے قلعے میں بند ہو جاؤ — پھر تیر اثر نہ کریں گے — تیر پڑیں گے مگر تاثیر نہیں ہوگی — قلب مگن اور مطمئن رہیگا۔

ذکر اللہ کرنے والے کا قلب چونکہ وابستہ ہوتا ہے حق تعالےٰ سے اس واسطے اس کے اندر بشاشت، سکون، طمانیت، تسکین یہ چیزیں ہوتی ہیں اور قلب ذکر اللہ سے خالی ہے اس پر اگر کوئی بھی مصیبت آئے گی تو بے چینی میں وہ ادھر ادھر بھاگتا پھرے

گا — کیونکہ اس کی نظر اسباب پر ہے — اور اسباب سارے قبضہ میں ہوتے ہیں — اللہ والے کی مدد مسبب الاسباب پر ہے — اور جو مسبّب سے اپنا رشتہ باندھے وہ اسے کبھی محروم نہیں چھوڑتا — حدیث قدسی ہے — حق تعالے فرماتے ہیں کہ اے بندے! تو اپنی نعمت کے وقت میں مجھے یاد کر کہ تیری مصیبت کے وقت میں تجھے یاد رکھوں —

بندے کا کام یہی ہے کہ نعمت کے وقت میں زیادہ یاد کرے اللہ کو — جب مصیبت کا وقت آئے گا تو اللہ تعالیٰ یاد کرے گا اسے — اور جس بندے کو وہ یاد کریں وہ کبھی مصیبت زدہ نہیں ہو سکتا —

بہرحال مصائب کا علاج فی الحقیقت ذکر خداوندی ہے — یادِ حق ہے — اسباب کے درجہ میں آپ کرتے رہیں علاج — مگر حقیقی چیز جس سے مصیبت ضائع ہوتی ہے وہ نامِ حق ہے — وہ یادِ خداوندی الا بذکر اللہ تطمئن القلوب —

غرض حاصل یہ نکلا کہ دو ہی حالتیں ہیں دنیا میں — ایک نعمت کی اور دوسری مصیبت کی — تو نعمت کی حالت کا تقاضا ہے حمد و ثنا اور شکر — اور مصیبت کی حالت کا تقاضا ہے پناہ جوئی اور صبر —

قرآن کریم نے اپنے آغاز اور انجام — ابتداء ہی میں یہ بتلا دیا کہ غلبہ ہنا چاہیئے بندہ پر — حمد و ثناء کا — کتاب اللہ کا آغاز ہی حمد و ثناء سے کیا — اور اس کے بعد تعوذ پناہ مانگنا، خدا کی پناہ میں آنا اور اسکے پہلو میں آنا ہے — دوسرا جذبہ یہ ہونا چاہیئے کہ انتہائی قرآن تعوذ کا ڈیرہ — تعوذ — اس میں مصیبت کے تمام اصول ذکر کر دیئے — ان سے پناہ مانگنی سکھلائی

سورۂ فاتحہ میں حمد و ثنا اور نعمتوں کے سارے اصول ذکر کر دیئے ـــــ ان پہ حمد و ثنا کی گئی ـــــ الحمد للہ رب العالمین ـــــ حمد ہے ساری اللہ کے لیے ـــــ کون اللہ؟ جو رب ہے ـــــ پالنے والا ہے جہانوں کا کون پالنے والا؟ جو رحمٰن و رحیم ہے جو مالک یوم الدین ہے ـــــ یہ کیوں کہا گیا ہے؟ ـــــ اس لیے کہ اللہ کا تعارف صفات ہی کے ذریعہ سے ہو سکتا ہے ـــــ ذات تک تو رسائی بہت مشکل ہے ـــــ پہلے ہم نام لیں گے اس کا ـــــ نام کے بعد صفات آئیں گی ـــــ صفات کے بعد کہیں جا کر رسائی ہو گی ـــــ تو سب سے پہلے بندے کو جس صفت سے سابقہ پڑتا ہے وہ ربوبیت کی صفت ہے۔ پال پرورش کی صفت ہے۔ سب سے پہلے صفت تو خالقیت کی ہے ـــــ ہمیں پیدا کیا ـــــ مگر جب ہم پیدا ہو رہے تھے اس وقت تو ہمیں اپنی خبر ہی نہ تھی ـــــ ہم اللہ کو کیا پہچانتے ـــــ اور جب پیدا ہو چکے ـــــ اب ربوبیت نے سنبھال لیا ـــــ ہماری بقا کا سامان کیا ـــــ تو بندہ پہچانتا ہے رب ہونے کی صفت کو خالقیت کی صفت کو عقیدہ مانتا ہے اور ربوبیت کی صفت کو آنکھوں سے دیکھتا ہے ـــــ تو تعارف انسان کا اللہ سے ربوبیت کی صفت سے ہوتا ہے اس واسطے فرمایا گیا ـــــ الحمد للہ ـــــ ساری تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو پالنے والا ہے تمام جہانوں کا ـــــ ربوبیت کی صفت ہے اس میں ـــــ تاکہ تم پہچان سکو ـــــ

ظاہر ہے کہ ربوبیت اور پال پرورش نہیں ہو سکتی جب تک کہ شفقت نہ ہو اگر عداوت ہو تو پھر پرورش کیسے ہو گی؟ ـــــ ایک بچہ ماں تو پال لیتی ہے مگر سوکن نہیں پال سکتی ـــــ اس لیے کہ ماں کے دل میں محبت ہے ـــــ سوکن کے

دل میں عداوت ہے — وہ تو چوٹی بھر کر یہ چاہے گی کہ بچہ ختم ہو جائے — ماں نہیں چاہ سکتی — تو پرورش ماں کر سکتی ہے — سوکن نہیں کر سکتی — اس لئے کہ ماں میں رحمت ہے شفقت ہے —

ربوبیت کا اثر نمایاں نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ رحمت موجود نہ ہو — اس واسطے فرمایا رب العالمین۔ الرحمٰن الرحیم — رب ہے جہانوں کا۔ اس لیے کہ وہ رحمٰن ورحیم ہے۔ بڑی رحمت والا ہے — اچھا تو اب کوئی رحمت اگر ہو تب بھی پرورش نہیں ہو سکتی جب تک سامان تربیت قبضہ میں نہ ہو — ماں کے اندر شفقت ہے — پالنا چاہتی ہے بچہ کو — مگر ہاتھ پلے پیسہ نہیں ہے نہ دودھ لا سکتی ہے۔ نہ غذا لا سکتی ہے نہ کپڑا لا سکتی ہے کہ بچہ کو سردی گرمی سے بچائے۔ تو پرورش کیسے کرے گی؟ — شفقت تو ہے مگر سامان قبضہ میں نہیں — مفلس ہے بیچاری — تو ربوبیت اور پرورش نہیں ہو سکتی جب تک رحمت نہ ہو اور رحمت کے ساتھ ساتھ جب تک مالک نہ ہو سارے سامان کا —

اس لیے الرحمٰن الرحیم کے بعد فرمایا۔ مالک یوم الدین — اللہ رب العالمین بھی ہے رحمٰن ورحیم بھی ہے اور مالک ہے روز جزا کا — یعنی اول تو اس جہان میں بھی وہی مالک ہے مگر یہاں اس کی ملکیت بغیر اسباب نمایاں ہو رہی ہے — یہ ہماری آپ کی ملکیت درحقیقت اللہ ہی کی ملکیت ہے — گو بلا واسطہ بھی وہ مالک ہے اور بالواسطہ بھی وہ مالک ہے — مگر قیامت کے دن تو کوئی ہوگا ہی نہیں مالک — تنہا ان کی ملک ہو گی — اس واسطے مالک یوم الدین فرمایا — روز جزا کا مالک — تو رب بھی ہیں رحمٰن

بھی ہیں رحیم بھی ہیں، مالک بھی ہیں — تو گویا یاد کرا دیا حق تعالیٰ نے اپنا کہ وہ رب ہے اور جو رب ہوگا وہ یقیناً رحمٰن بھی ہوگا جو رحمٰن ہوگا رحیم بھی ہوگا — اور جو رحیم ہوگا وہ مالک بھی ہوگا — جو رب ہوگا وہ حفیظ اور محافظ بھی ہوگا — جو رب ہوگا وہ مانع ہوگا — عطا کرے گا نفع کی چیز اور روک دے گا نقصان کی چیزیں — اس لیے کہ پرورش کرنے والا اگر نقصان سے بچا نہ سکے تو پرورش ہی کیا ہوئی؟ — نفع کی چیزیں نہ پہنچا سکے تو پرورش نہیں ہو سکتی — تو مالک بھی ہونا چاہیئے حافظ و محافظ بھی ہونا چاہیئے اور رفیق و مہربان بھی ہونا چاہیئے۔

تو ربوبیت کی صفت ایسی ہے کہ ساری صفتیں اس کے اندر پائی جاتی ہیں — جو رب ہوگا وہ تمام صفات رکھتا ہوگا۔ اس واسطے ربوبیت کی شان سے اپنا تعارف کرایا حق تعالیٰ نے — اور ربوبیت کے سارے سامان مہیا کر دئیے۔

ظاہر ہے ہر ہر سامان کے مقابلہ میں اس کی حمد و ثناء کرنی چاہیئے — ہر ہر چیز کے مقابلہ میں شکر ہونا چاہیئے۔ اس لیے فرمایا — الحمد للہ — ساری تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں — اور انتہا کی جا کر تعوذ سے، پناہ جوئی سے اعبس سے — جس میں گویا بتلا دیا گیا کہ قرآن کا پڑھنے والا یا قرآن پر ایمان لانے والا — اس کی شان یہ ہونی چاہیئے — کہ غلبہ اس پر حمد و ثناء کا ہو — اور جو وقت بچے تو پھر پناہ اللہ سے ڈھونڈتا رہے۔ تاکہ مصائب و آفات سے بچا رہے — یہ اختتام ہے قرآن کریم کا۔

تو اس قرآن کریم کے اختتام پر جلسہ گویا کیا گیا ہے اس لیے اس کی ابتدا اور انتہا کے بارے میں یہ چند جملے میں نے عرض کیئے — ظاہر بات ہے کہ جو لوگ اس قرآن کریم کی تعلیمات کو اپنے اندر جگہ دینگے ایک طرف ان پر حمد و ثناء کا غلبہ ہوگا شکر گزاری

کا مادہ ہوگا ان میں کفرانِ نعمت نہیں ہوگا ___ تھوڑی چیزیں جائے تو بہت شکر کریں گے ___ ایک طرف مصائب ہونگے تو از خود رفتہ نہیں ہونگے ___ پناہ مانگتے رہیں گے اللہ سے ___ اس کی پناہ میں آتے رہیں گے ___ وہی بندے مقبول ہو جائیں گئے ___

ظاہر ہے قرآن کریم پڑھنے والے گویا مقبولیت کی راہ چل رہے ہیں اور اس کو ختم کرنے والے مقبولیت کے مقام پر آ رہے ہیں ___ حق تعالےٰ ان کو قبول فرمائیں۔

قرآن حکیم کو حدیث میں محادثہ مع اللہ فرمایا گیا ہے ___ یعنی اللہ سے اگر آپ کو باتیں کرنا منظور ہوں تو قرآن کریم کی تلاوت شروع کر لو ___ یہ اللہ سے مکالمہ ہے ___ باتیں ہیں ___ اور بعض آیتوں کا تو ہاتھ در ہاتھ جواب دیا جاتا ہے ___ جیسے فاتحہ کے بارے میں حدیث میں آیا ہے کہ نماز میں جب بندہ کہتا ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ فوراً جواب دیتے ہیں ___ حَمِدَنِیْ عَبْدِیْ ___ میرے بندے نے میری حمد کی ___ جب کہتا ہے الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ فوراً جواب دیتے ہیں اثنا علیّ عبدی بندے نے میری ثناء اور صفت کی ___ جب کہتا ہے مالک یوم الدین فوراً جواب دیتے ہیں مجدنی عبدی۔ میرے بندے نے میری بندگی بیان کی ___ جب کہتا ہے ایاک نعبد وایاک نستعین آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں آپ ہی سے مدد مانگیں گے ___ فرماتے ہیں ھٰذا بینی وبین عبدی ___ یہ میرا اور میرے بندے کے درمیان کا ایک معاملہ ہے ___ کہ میں معبود ہوں اور وہ عبد ہے اور عبد و معبود میں ایک رابطہ قائم ہے جب یہ پڑھتا ہے اھدنا الصّراط المستقیم مجھے ہدایت کیجئے۔ دکھلا دیجئے مجھے راستہ ہدایت کا ___ سیدھا راستہ

—— تو جواب آتا ہے ھذا بینی وبین عبدی ولعبدی ما سئل ——
یہ میرا اور میرے بندے کا معاملہ ہے اور دیا میں نے جو اس نے مانگا ——
تو بعض آیتوں کا فوری جواب دیتے ہیں —— یا جیسے سورۂ بقر کی آخری آیتیں
—— حدیث میں ہے کہ جب پڑھی جاتی ہیں ان کا جواب دیا جاتا ہے فوراً —— رَبَّنَا
لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِيْنَا اَوْ اَخْطَاْنَا فوراً جواب دیتے ہیں لاتؤاخذکم الخطا
والنسیان —— ہم مواخذہ نہیں کریں گے بھول چوک کا —— رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ
اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا —— اے اللہ ہم پر بوجھ نہ ڈالئے جو پچھلی
اقوام پر آپ نے بڑے بڑے بوجھ ڈالے ۔ اور وہ نبھا نہ سکیں —— جواب دیتے
ہیں لا نحملکم ما لا طاقت لکم ہم بوجھ نہیں ڈالیں گے تمہارے اوپر جو تمہاری
طاقت سے زائد ہو —— تو بہت سی آیتیں جن کا فوری طور پر جواب آتا ہے اور بہت
سی آیتیں ہیں کہ نصوص اور روایات میں موجود نہیں مگر حدیث میں فرما دیا کہ یہ اللہ سے
باتیں کرنا ہے —— معلوم ہوتا ہے اور آیتوں کا بھی کوئی جواب آتا ہوگا جس کو اہل دل
سنتے ہیں —— ہم عقیدہ کے کان سے سنتے ہیں ۔ اہل دل اپنے دل کے کانوں سے
سنتے ہیں —— مگر جواب ضرور آتا ہے ——
اس قرآن کریم کا پڑھنا، پڑھانا اور اس کو ختم کرانا دربار خداوندی کی حاضری
ہے —— ہر وقت کا مکالمہ ہے —— اللہ سے بات چیت کرنا ہے —— کسی
حکومت کے سربراہ سے اگر آپ کو بات چیت کرنی ہو تو بہت دیر میں رسائی
ہوتی ہے —— وسائل اختیار کئے جاتے ہیں —— کچھ سفارشیں کرائی جاتی ہیں ——
کچھ ملنے والوں سے راہ پیدا کی جاتی ہیں تب جاکر رسائی ہوتی ہے اور اگر تین منٹ

دے دیئے بادشاہ نے یا سربراہ نے تو فخر سے آدمی کی گردن اونچی ہو جاتی ہے کہ تین منٹ اس سے صدر نے بات چیت کی ہے — اور یہاں تو صدر الصدور اور بادشاہوں کا بادشاہ ہر وقت بات کرنے کو تیار ہے جب تلاوت کرنے بیٹھ جاؤ — بس اللہ سے باتیں شروع ہو گئیں — جب قرآن کریم کو شروع کر دیا محادثہ مع اللہ شروع ہو گیا — تو ہر وقت آدمی کو حق ہے کہ اللہ سے بات چیت کرے —

تو قرآن کریم کی تعلیم و تعلم میں رہنے والے وہ ایک دوسرے کو نہیں سمجھاتے وہ ہر وقت اللہ سے بات چیت میں لگے رہتے ہیں — پھر قرآن کریم کے آثار ہیں جو انسان کے قلب کے اوپر پڑتے ہیں —

ہر کلام کا ایک اثر ہوتا ہے — اور متکلم کی صفات دراصل اس کے کلام میں جلوہ گر ہوتی ہیں — کلام آئینہ ہوتا ہے متکلم کے پہچاننے کا — جیسے پہچاننا ہو کہ متکلم کیسا ہے۔ اس کا کلام پڑھ لے آدمی —

زیب النساء اورنگ زیب کی بیٹی تھی — تھی بڑی شاعرہ — جب کبھی دربار میں مشاعرہ ہوتا اس کے بھی اشعار سنائے جاتے — عاقل خاں جو درباری تھا اورنگ زیب کا — وہ بھی شاعر تھا — زیب النساء کے اشعار بڑے میٹھے ہوتے تھے ایک دن اس نے تمنا ظاہر کی کہ کاش میں زیب النساء کو دیکھتا — کتنی بڑی شاعرہ ہے — کیسی ذکی و ذہین ہے — کیسا اونچا کلام ہے یہ بات پہنچ گئی زیب النساء تک — تخلص تھا اس کا مخفی — اس نے جواب دیا اور عاقل خاں کو یہ شعر لکھ بھیجا ؎

در سخن مخفی منم چوں بوئے گل در برگ گل
ہر کہ دیدن میل دارد در سخن بیند مرا

میں اپنے کلام میں اس طرح چھپی ہوئی ہوں جیسے گلاب کے پھول میں خوشبو چھپی ہوئی ہوتی ہے — تو میں خود اپنے کلام میں چھپی ہوئی ہوں — جو مجھے دیکھنے کی تمنا رکھتا ہے وہ میرے کلام میں مجھے دیکھے — تو میں اس میں جلوہ گر نظر آؤں گی

تو ہر انسان کے کلام سے اس کے اوصاف کا پتہ چلتا ہے — اگر شاعرانہ کلام ہے تو فوراً پڑھ کر آپ کہیں گے کسی شاعر کا کلام ہے — علم بھرا ہوا ہے کلام میں — تو آپ کہیں گے کسی عالم کا لکھا ہوا کلام ہے — حکیمانہ کلام ہوگا تو آپ پہچان لیں گے کہ کسی حکیم نے کہا ہوگا جاہلانہ باتیں ہوں گی تو آپ کہہ دیں گے کسی جاہل کی بات معلوم ہوتی ہے — غرضیکہ کلام پڑھ کر متکلم کے اوصاف کا پتہ چلتا ہے — آدمی پہچان لیتا ہے بات کرنے والا کیسا ہے۔

اسی اصول پر جب آپ قرآن کریم کو دیکھیں گے کہ قرآن پاک کلام ہے اللہ کا — اس کلام کو پڑھ کر اللہ کی صفات جلوہ گر نظر آئیں گی اس کے اندر — اس کا جلال اور اس کا جمال — اس کی قدرت اور اس کا اکرام اور اس کا انعام، یہ تمام صفات آپ کو نظر آئیں گی — ظاہر ہے اس کلام کو جب بار بار آدمی پڑھے گا — تو بار بار ان صفات کا ورود ہوگا آدمی کے قلب پر — تو متخلق ہوگا آدمی اخلاق اللہ سے — متصف ہوگا اوصاف خداوندی سے اور وہی آثار اس کے قلب پر پڑیں گے — اس میں رحیمی، کریمی، سمیعی، بصیری یہ تمام صفات رفتہ رفتہ آنی شروع ہوں گی — تو قرآن کریم کے ساتھ اشتغال رکھنا، شغل رکھنا، فقط تلاوت نہیں —

فقط علم نہیں۔ بلکہ وہ خاص صفات و کیفیات بھی ہیں جو اس کے اندر چھپی ہوئی ہیں — وہ آدمی کے اندر جلوہ گر ہوتی ہیں اور پڑھنے والا آخر کار ایک ربانی آدمی بن جاتا ہے — جس میں خدائی اوصاف جلوہ گر ہوتے ہیں — مقبولان الٰہی میں ہو جاتا ہے — قرآن کریم ایک جامع چیز ہے اس کے الفاظ کو دیکھو اس سے بہتر فصیح و بلیغ کلام کوئی نہیں — اگر وظیفہ کی نگاہ سے دیکھو، اس سے بہتر وظیفہ کوئی نہیں اگر علم کے لحاظ سے دیکھو تو اس سے بڑھ کر اس سے زیادہ جامع اور جامع العلوم کتاب کوئی نہیں — قانون کے نقطۂ نظر سے دیکھو تو اس سے زیادہ جامع قانون کوئی نہیں کہ پوری زندگی پر حاوی ہو — اگر کیفیات کے لحاظ سے دیکھو تو اس سے بہتر کیفیات ڈالنے والا کلام دوسرا نہیں — غرض ہر پہلو سے کمال ہی کمال کا پردہ دار ہے — اس لیے قرآن کریم کو پڑھنے والے، شغل رکھنے والے درحقیقت اللہ کے ساتھ شغل رکھتے ہیں — بات چیت بھی اس سے ہے اس کے اوصاف بھی لے رہے ہیں، اس کے کمالات بھی اپنے اندر جذب کر رہے ہیں تو یہ انتہائی مبارکبادی کی چیز ہوتی ہے — اس وقت جن لوگوں کو سندیں تقسیم کی گئی ہیں درحقیقت وہ مستحق ہیں مبارکباد کے — ایک ایسے کلام کو انہوں نے اپنے اندر لیا ہے کہ جس سے بڑھ کر دنیا میں کوئی روح نہیں ہو سکتی جو زندہ کرنے والی روح ہے — قرآن کریم کو حق تعالیٰ نے روح فرمایا ہے — وکذالک — اوحینا روحا من امرنا — اے پیغمبر ہم نے وحی کی آپکی طرف — کاہے کی — روحا من امرنا — اپنے امر کی روح ہم نے آپ کے اندر ڈال دی — اس نے آپ کو زندہ کیا — یہی روح قرآن کریم کی — — — — — — — جب صحابہ میں پہنچی تو وہ زندہ ہوئے۔

اول کی زندگی قرآن ہی سے وابستہ ہے۔ دل کے اندر سما گیا قرآن تو وہی لوگ جو جہلائے عرب کہلاتے تھے وہ عقلائے عالم بن گئے ـــ جو مشرکین کہلاتے تھے وہ اعلیٰ ترین موحد بنے۔ جو راہزن تھے وہ رہبر بنے۔ یہ انقلاب اس قرآن کریم ہی نے پیدا کیا ـــ اس کلام پاک ہی نے پیدا کیا ـــ امام مالک فرماتے ہیں۔

اس امت کے اخیر کی اصلاح اسی چیز سے ہو سکتی ہے جس سے امت کے اول طبقہ کی اصلاح ہوئی ہے اور ظاہر ہے کہ صحابہ کی اصلاح اس قرآن سے ہوئی ـــ آج بھی یہی قرآن اصلاح کا ضامن اور ضمانتدار بن سکتا ہے ـــ اس کا علم اور اس کے کمالات ہی انسان کو انسانیت کی طرف لے جا سکتے ہیں ـــ مبارکباد کے قابل ہیں وہ افراد کہ جنہوں نے اس کو سیکھا ـــ اس کو پڑھا اور اس کے بعد سند حاصل کی۔ اور علامت حاصل کی ـــ جو علامت ہے ان کے بلوغ کی کہ وہ اس راہ کے اندر بالغ ہو گئے ـــ اب ان کی ذریت بن سکتی ہے ـــ اب ان کی روحانی نسل چل سکتی ہے ـــ

میرا مقصد اس وقت کوئی تقریر یا وعظ نہیں بلکہ تبریک یا مبارکباد دینا تھی ان حضرات کو جنہوں نے پڑھا کر طلباء کو آگے کیا اور ان طلباء کو جنہوں نے پڑھ کر سند حاصل کی ـــ حق تعالیٰ ان کے حق میں اس قرآن کریم کو حجت بھی بنائے ـــ امام بھی بنائے رحمت بھی بنائے ذریعہ نجات بھی بنائے واخر دعوانا الحمد للہ رب العالمین۔

سیدالاتقیا اسوۃ الصلحاء فہامدنی حضرت مولانا حبیب اللہ مدظلہ العالی کا

مکتوب گرامی

یہ مکتوب گرامی اماں جی امام اللہ فضلیہا کے نام ہے

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ الحمد للہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفے اما بعد

بہ پیش گاہ علیا حضرۃ آیتہ رحمت والدہ ماجدہ مخدومتہ المکرمہ صاحبہ زید مجدکن۔

سلام مسنون۔ مزاج شریف حبیب اللہ از مکۃ المکرمہ

الحمد للہ رب العالمین بخیر و عافیت اور ہر طرح سے خوش و خرم ہوں۔ اللہ کی رحمت کاملہ سے یقینی توقع ہے کہ انشاء اللہ العزیز آپ حضرات بھی میری طرح مع الخیر ہوں گے کل گذشتہ یوم الجمعہ ۱۰ صفر ۱۳۸۲ھ مطابق ۲۰ جولائی ۱۹۶۲ء کو نماز جمعہ سے قبل لیٹا ہوا تھا کہ خواب میں دیکھتا ہوں لاہور گیا ہوں۔ مجھ کو ایک جگہ دکھائی گئی ہے اور بتانے والے بتا رہے ہیں کہ یہاں پر دریائے سندھ بہتا تھا۔ اب اس نے اپنا رخ بدل لیا ہے۔ دریا کے رخ بدل لینے کی وجہ سے جو زمین پہلے آباد تھی سب بنجر ویران ہوگئیں کھیتیاں لہلہا کر جل گئیں چمن اجڑ گئے مجھے خواب ہی میں اس قدر افسوس ہو رہا ہے کہ بہت رو رہا ہوں اور خیال کرتا ہوں کہ جتنے انسانوں جانوروں۔ پرندوں چرندوں اور کھیتوں اور باغات کو دریا کا جو نفع پہنچتا تھا۔ دریا کے رخ بدل لینے کی وجہ سے سب محروم ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

خواب میں ہی مجھ کو بتایا جا رہا ہے کہ دریائے سندھ سے مراد مرحوم و مغفور ابا جی

حضرت قبلہ باجان رحمۃ اللہ علیہ واسعۃ تا مۃ) ہیں جن کی صحبت میں لوگوں کے قلوب کی زمین سرسبز و شاداب ہوتی تھیں۔ اور افکار طیبہ اور نیات صالحہ کا بیج بویا جاتا تھا اور اعمال صالحہ اور تقویٰ کی خوب کاشت ہوتی تھی اور توفیق میسّر آتی تھی۔ اب اس دریا نے اپنا رخ دنیا سے آخرت کی طرف پھیر لیا ہے۔

(۲)

خواب میں جب میرا رنج و غم بہت ہی بڑھ گیا تو میں نے دیکھا کہ بہت بادل آئے ہیں اور خوب کھل کر ابر بہار برسا۔ اتنی کثرت سے بارش برسی کہ دریائے راوی کی طرح پھر پانی چلنے لگا۔ اگرچہ دریا سندھ کی طرح بہت موجزن نہیں لیکن وہ جو ویرانی و بے رونقی تھی وہ چلی گئی اور پھر بہار آگئی۔ اور یہ دریا ٹھیک مسجد لائن سبحان پور سے بہنا شروع ہوا ہے۔ ہمارا دارالحفاظ جہاں قاری عبدالکریم صاحب دیوبندی پڑھاتے تھے وہاں سے شروع ہوتا ہے۔ اور باہر باہر بڑی مسجد کے ساتھ بہتا ہوا چلا جاتا ہے۔

خواب میں ہی مجھ کو بتایا گیا کہ اس دریا سے مراد برادر عزیز مولوی محمد انور سلمہٗ ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے احیاء دین کی اس کو نئی توفیق بخشی ہے اور علوم و معارف کا دریا پھر سے جاری ہو گیا ہے۔ اور ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ چشم بد دور چشم حاسد کور۔ اللہ کی بارگاہ میں اس کی کوششیں منظور ہیں۔

اب مجھ کو اس قدر خوشی ہوئی جس کی کوئی حد نہیں رہی۔ عربی زبان کا محاورہ ہے "السرور اذا افرط ابکی" خوشی جو حد سے بڑھ کر ہو وہ انسان کو رلا دیتی ہے اب میں خوشی سے رونے لگا۔ اور جب میری آنکھ کھلی تو واقعی میری آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ اور دیر تک جاری رہے جنہیں کپڑے سے پونچھا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہم تینوں بھائیوں میں سے اعلیٰ حضرت قبلہ ابا جان رحمۃ اللہ علیہ کی مسند پر بیٹھ دین کی خدمت کا شرف مولوی محمد انور سلمہٗ کو بخشا ہے ؎

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

یا جبذا ہذا الشرف۔ اب اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے لطف وکرم سے استقامت عطا فرمائے اور کسی گناہ کی وجہ سے یہ نعمت چھن نہ جائے۔

اللھم اجعلنا من الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا الایۃ
ربنا لاتزغ قلوبنا بعد اذ ھدیتنا وھب لنا من لدنک
رحمۃ انک انت الوھاب۔ آمین۔ یا اللہ العالمین۔

دوسری مؤدبانہ گذارش یہ ہے کہ حضور اقدس کا ۱۰ جولائی ۱۹۶۲ء کا عزیزم عبد الماجد سلمہٗ سے لکھوایا ہوا خط ۱۷ جولائی ۱۹۶۲ء ۱۵ صفر ۱۳۸۲ھ کو بعد از نماز عشا باعث سرفرازی ہوا۔

سفر مبارک حرمین الشریفین کے متعلق لکھا ہے۔

"اب ارادہ کمزور سا ہو گیا ہے"

ومن عجائب الرحمٰن۔ زمانہ کے عجیب اتفاقات میں سے یہ ایک اتفاق ہے کہ جس مکان میں آپ حضرات والدین الماجدین مکۃ المکرمہ میں ہر سال آکر اقامت فرمایا کرتے تھے امسال وہ مکان حرم الشریف کی توسیع کے سلسلہ میں منہدم ہو گیا ہے۔ وہ مکان کعبۃ اللہ شریف کے سب سے زیادہ قریب تھا۔ اس سے زیادہ قریب اور کوئی مکان نہیں تھا۔ کئی لوگوں نے مجھ سے ذکر کیا کہ حضرت مولانا صاحب

رحمۃ اللہ علیہ کیسے بابرکت تھے جب تک تشریف لاتے رہے یہ مکان سلامت رہا اب ان کے آنے کا امکان ختم ہو گیا تو مکان بھی گر گیا! دھر آپ نے لکھا تھا قبل ازیں میرا ارادہ اس بارے میں بڑا مضبوط تھا لیکن اب اس میں کچھ تزلزل آ گیا ہے"

بہر حال اب وہ مکان گیا۔ جب آپ نے ارادہ ملتوی کر دیا تو سب وسائل مخالف ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

تمام حضرات احباب کرام و پرسان حال کو سلام مسنون والسلام مع الاکرام

۱۹ صفر ۱۳۸۲ھ ۲۱ جولائی ۱۹۶۲ء یوم السبت۔

دوسرا مکتوب

۲۸۔ رجب ۱۳۸۲ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ الحمد للہ وکفیٰ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ۔ اما بعد

بہ پیش گاہ علیا حضرۃ آیتہ رحمت مخدومتہ المکرم والدہ ماجدہ صاحبہ دامت برکاتکن

سلام مسنون مزاج اقدس جیب اللہ ازمدینۃ المنورۃ

فضلاً من اللہ و نعمتہ بخیر وعافیتہ وصحتہ وسلامتہ ہوں۔ الحمد للہ رب العالمین رحمت الٰہی سے یقینی توقع ہے کہ انشاء اللہ العزیز آپ سب حضرات بھی میری ہی طرح مع الخیر ہوں گے۔

آج یوم الثلاثاء ۲۸ رجب ۱۳۸۲ھ مطابق ۲۵ دسمبر ۱۹۶۲ء کو آپ کا کرامت نامہ محررہ طاہرہ بی بی مورخہ ۱۸ دسمبر ۱۹۶۲ء باعث سرفرازی ہو کر کاشف حالات ہوا گذشتہ کل حکیم علی احمد صاحب نیر واسطی مجھ کو تلاش کرتے ہوئے میری قیام گاہ پر پہنچے۔ مجھ سے ذکر کیا کہ میں تمام مشرق و مغرب کے ممالک کے دورہ پر حکومت

پاکستان کی طرف سے نکلا ہوں۔ امریکہ اور یورپ کے تمام ممالک اور بڑے بڑے شہروں میں کافی ٹھہرا ہوں بعد ازاں شام، لبنان، بیروت، دمشق، مصر ہوتا ہوا اب المدینۃ المنورہ آیا ہوں۔ یہاں سے ایران و عراق کا قصد ہے۔

پھر عبد حقیر و فقیر سے ملاقات کا خاص مقصد جو انہوں نے بیان کیا وہ یہ تھا کہ میں حضرت مولانا مرحوم (اباجان رحمۃ اللہ علیہ) کے ارادتمندوں میں سے ہوں مجھ کو ان سے خصوصی نیاز مندی کا شرف حاصل ہے حضرت مولانا مرحوم کی برکت سے رحمت الٰہی کا جو دروازہ کھلا تھا۔ اس کو کھلا ہی رہنا چاہیئے۔ اللہ تعالےٰ سدا اسکو کھلا ہی رکھے۔ میری ذاتی رائے۔ اور میرے ساتھ اور بھی بہت سے احباب کرام کی رائے (جن میں لاہور کے بہت سے معززین ہیں) یہ ہے کہ اس وقت لاہور میں تمہارا ہونا بہت ضروری ہے اور اس ضرورت کا شدت کے ساتھ احساس کیا جا رہا ہے۔ لاہور سے روانگی کے وقت مجھ سے احباب نے کہا تھا کہ المدینۃ المنورہ میں، حبیب اللہ کو ہمارا یہ پیغام پہنچا دینا

میں نے ان کی بات کو غور سے سنا اور مختصر طور پر پہلی ہی ملاقات و مجلس میں صرف اتنا عرض کیا کہ جناب حکیم صاحب یہ ایک حقیقت ثابتہ ہے وجدان سے تعلق رکھتی ہے۔ یہ استدلالی چیز نہیں مجھ کو المدینۃ المنورہ کے قیام میں جو روحانی سرور و نشاط جو قلبی سکون و طمانیت میسر ہے اور علی حسب ما قدر لشئ الجرد السعادہ والتوفیق جو عبادات کی توفیق من جانب اللہ حاصل ہے دنیا کی سب نعمتوں کو اس پر قربان کر سکتا ہوں۔ لیکن اس روحانی سرور و نشاط اور اس قلبی سکون و طمانیت کو دنیا کی کسی نعمت پر قربان نہیں کر سکتا۔

میرے دل کی یہی پیاس ہے کہ بقیۃ العمر اللہ تبارک وتعالیٰ حسن ادب پر قائم رہتے ہوئے المدینۃ المنورہ میں قیام کا شرف بخشے۔ اور اس شرف سے محروم نہ فرمائے لاہور میں میرے دو بھائی ہیں ان کے لیے دعائے خیر کرتا ہوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے غیب کے فیض سے ان کی تائید ونصرت فرمائے۔ اور وہ اجا جان رحمۃ اللہ علیہ کی مسند پر بیٹھ کر رشد و ہدایت کے اس سلسلہ کو جاری رکھ سکیں آمین یہ ایک امر واقعہ ہے کہ مجھ عبد حقیر وفقیر پر جو اللہ تبارک وتعالیٰ کا فضل و احسان ہے۔ دنیا کے بڑے بڑے بادشاہوں۔ اور شہنشاہوں پر اللہ کا وانعام نہیں ہوا۔

ہندوستان کے جتنے مغل سلاطین گذرے ہیں۔ ان میں سے کسی ایک مغل شہنشاہ کو اس دربار کی حاضری کا شرف حاصل نہیں ہوا ان کے قلعے۔ ان کے مقبرے ان کی جامع مسجدیں۔ دنیا میں ایسی ایسی یادگاریں ہیں کہ ایک مرتبہ ایک ایرانی سفیر نے کہا تھا کہ شاہان ہند شاہی نمی کنند خدائی میکنند۔

آخرت میں ان کے قلعے مقبرے۔ اور پرشکوہ عمارتیں کام نہیں آئیں گی اگر یہاں کی حاضری کا شرف حاصل ہو جاتا تو وہ آخرت میں ضرور ان کے کام آتا حتیٰ کہ جتنے سلاطین آل عثمان گذرے ہیں ان سب خلفاء کو بھی حرمین الشریفین کی زیارت کا شرف حاصل نہیں ہوا۔ حالانکہ حرمین الشریفین ان کی قلمرو میں تھا۔ اور ہمیشہ جمعہ کے دن امام خطبہ میں آٹھ سو برس تک یہ پڑھتے رہے ہیں۔

سلطان البرین والبحرین۔ خادم الحرمین والقبلتین السلطان فلاں بن فلاں۔

بیہقی کی روایت میں ہے کہ ہر روز ستر ہزار فرشتے آسمان سے دن کو اتر

اسی طرح ستر ہزار فرشتے کو روضۂ اطہر پر صلوٰۃ وسلام پڑھنے کے لیے نازل ہوتے ہیں۔

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں انہوں نے نقل کی ہے۔

ان اللہ وملٰئکتہ یصلون علی النبی۔ یاایہا الذین آمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما

آسمان سے ملائکہ عظام جس مقام کی تقدیس وتبریک حاصل کرنے کے لیے نازل ہوتے ہوں وہاں پر مجھ عبد حقیر وفقیر مذنب کا قیام میرے لیے اللہ تبارک تعالیٰ کا ایک بہت ہی بے بہا انعام ہے۔

ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔ واللہ ذوالفضل العظیم۔

جس مقدس مقام پر حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے سربسجدہ دعائیں فرمائیں۔ اور تمام حضرات خلفاء الراشدین اور سب صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے دعائیں کیں۔ اور تمام عالم اسلامی کے سب صلحاء شرفا وغربا جہاں پر ہر سال صدیوں سے جمع ہو کر دعائیں فرماتے ہیں اس مقدس مقام کو قبولیت دعا کے ساتھ خاص مناسبت ہے۔ میں اس مقام پر خصوصیت کے ساتھ آپ حضرات والدین الماجدین کیلئے اور اپنے خاندان کے سب افراد کیلئے دن رات بہت بہت دعائیں برامید قبولیت کے کرتا رہتا ہوں۔ گھر کے سب حضرات کو فرداً فرداً اسلام مسنون عرض کردیں جناب ماموں جان مدظلہ العالی اور انکے جملہ متعلقین کو اور ہمشیرہ صاحبہ اور ان سکے بچوں کو سلام مسنون والسلام مع الاکرام۔

تیسرا مکتوب۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ الحمد للہ وکفیٰ وسلام علی عبادہ الذین اصطفےٰ اما بعد۔ بہ پیش گاہ علیا حضرۃ آیۃ رحمت اللہ والدہ ماجدہ صاحبہ دامت برکاتہن

سلام مسنون	مزاج اقدس	حبیب اللہ ۔ از المدینۃ المنورۃ

الحمد للہ رب العالمین بجز دعا فیہا اور ہر طرح سے خوش و خرم ہوں رحمت الٰہی سے یقینی توقع ہے کہ انشاء اللہ العزیز آپ سب حضرات بھی میری ہی طرح مع الخیر ہوں گے۔

یوم الخمیس ، ۷ ربیع الثانی ۱۳۸۲ھ مطابق ۶ ستمبر ۱۹۶۲ء کو آپ کا مکرمت نامہ محررہ عبد الماجد سلمہ جس پہ یکم ستمبر ۱۹۶۲ء کی تاریخ درج ہے ۔ باعث سرفرازی ہو کر کاشف حالات ہوا

آپ اس حقیقت سے خوب باخبر ہیں کہ شریعت کا حکم ہے کہ نماز جنازہ کی چوتھی تکبیر کے بعد یہ دعا پڑھی جاتی ہے ۔

اللہم لا تحرمنا اجرہ ۔ ولا تفتنا بعدہ ۔

بعض وجود ایسے مسعود ہوتے ہیں رحمت الٰہی کے مظہر اتم کہ ان کی برکت سے مخلوق آفات سماویہ و ارضیہ سے محفوظ رہتی ہے جہاں وہ بابرکت وجود دنیا سے اٹھے تو فتنوں کا ایسا دروازہ کھل جاتا ہے سالامان والحفیظ سورج سب غروب ہو جاتا ہے تو اپنی روشنی ساتھ لے جاتا ہے وہ اللہ کے بندے جب دنیا سے جاتے ہیں تو اپنی برکتیں ساتھ لے جاتے ہیں اسی لیے شریعت نے ہم کو حکم دیا ہے کہ ان اللہ کے بندوں کی وفات پر یہ دعا مانگو ان کی وفات کے صدمہ پر اللہ تعالے ہم کو اجر دے ۔ اور انکی وفات کے بعد اللہ تعالے کسی فتنہ میں ہم کو مبتلا نہ کرے ۔ جن فتنوں کو ان کی برکت سے روک رکھا تھا وہ سر کھینچ رہیں ۔ صدق اللہ العلی العظیم ۔ وصدق رسولہ النبی الکریم ۔

یہ امر واقعہ ہے کہ میں ۱۶ ذوالقعدہ ۱۳۶۷ھ مطابق ۲۰ ستمبر ۱۹۴۸ء کو ارض

مقدس حجاز میں پہنچا تھا۔

اور مرحوم و مغفورلۂ اعلیٰ حضرت قبلہ باجان رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ کا وصال ۱۷ رمضان المبارک ۱۳۸۱ھ مطابق ۲۳ فروری ۱۹۶۲ء کو ہوا یعنی ان کے انتقال پرملال سے ٹھیک چودہ برس قبل چودہ برس سے دو ماہ کم ہوتے ہیں میں ارض مقدس میں پہنچ گیا تھا۔ اس چودہ برس کے عرصہ میں انہوں نے سینکڑوں مرتبہ آپ کو اللہ تبارک و تعالیٰ کے اس احسان عظیم پر شکر کرنے کی تلقین فرمائی کہ شکر کرو سارے لاہور میں ایک ماں ایسی نہیں جس کے بیٹے کو اللہ تبارک تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے المسجد النبوی الشریف میں بیٹھ کر قال اللہ و قال رسول صلی اللہ علیہ و آلہ کی خدمت کی توفیق بخشی ہو۔ بلکہ پورے پاکستان کا فرد بھی ایسا نہیں جو عربی زبان میں الحرم النبوی الشریف میں دین کی خدمت کے شرف سے مشرف ہو۔

پورے پاکستان میں اللہ نے اس شرف سے مجھ عبد حقیر و فقیر کو نوازا ہے وہ مرحوم و مغفورلۂ بار بار اسی لیے آپ کو تلقین فرماتے تھے کہ اس کی مفارقت اور جدائی پر صبر کرنا اور صبر پر اللہ تعالیٰ سے اجر کی توقع رکھنا صبر کا جو سبق چودہ برس تک انہوں نے آپ کو پڑھایا۔ ابھی ان کے وصال کو ایک سال بھی پورا نہیں گزرا کہ وہ سبق آپ بھول گئے۔

آپ نے اپنے خط میں یہ تحریر فرمایا ہے۔
آپ کے استخارہ جان آپ کو ادھر آنے کی اجازت نہیں دیتے۔ لیکن میں ماں کو کیسے دبا دوں۔ سبحان اللہ ایسی چیز سے انہوں نے روکا تھا۔
اگر انسان کی ساری خوشیاں اور مرادیں دنیا میں ہی پوری ہونے لگ جائیں

تو وہ دنیا کیا ہوئی۔ وہ تو جنت ہو گئی۔ جنت کی نعمتوں میں سے اللہ نے ذکر فرمایا۔ ولہم فیہا ما یشتہون۔ جو خواہش بھی ہو گی پوری ہو جائے گی دنیا تو دار الکدر دار المحن اور دار الفتن ہے۔ دنیا میں کس کو سب مرادیں ملی ہیں۔

ومن ناحیۃ اخریٰ اگر آپ غور فرمائیں۔ تو ہر چیز پر قدرت تامہ تو صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کی صفت ذاتی ہے۔ ان اللہ علی کل شئ قدیر۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی قادر علی کل شئ وغیرہ عاجز عن کل شئ

اگر بندہ کی بھی ہر بات پوری ہونے لگ جائے تو پھر وہ بندہ کیا ہوا۔ وہ تو معاذ اللہ اللہ تعالیٰ ہو گیا۔

اب المسجد النبوی الشریف میں بیٹھ کر دین کی خدمت صبح وشام کریں۔ اور ہر روز آپ کی زیارت کا شرف بھی حاصل کریں۔ یہ قدرت تو اللہ تبارک وتعالیٰ کو ہے بندہ کو تو اللہ نے یہ قدرت نہیں بخشی۔

اب دو باتوں میں سے ایک بات اختیار کرنی ہو گی۔

یا تو محض اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کیلئے اپنی ہدایت ومغفرت اور اپنے والدین الماجدین کی مغفرت ونجات آخرت کیلئے المسجد النبوی الشریف میں بیٹھ کر دین کی خدمت کریں۔

یا پھر ان تمام سعادتوں سے محروم ہو کر صرف آپ کی ملاقات کیلئے لاہور آ جاؤں قبلہ ابا جان رحمۃ اللہ علیہ نے تو پہلی بات اختیار کرنے کی آپ کو چودہ برس تلقین فرمائی۔ اب آپ انکی روح پر فتوح کو بھی ناراض کرنا چاہتے ہیں۔

اب آپ تھوڑا سا صبر فرمائیں صبر پر اللہ نے بڑے اجر کا وعدہ فرمایا ہے۔

انما یوفون الصابرون اجرہم بغیر حساب

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ارشاد ہے کہ ہر عمل کا اجر قیامت کے دن ماپ تول کر ملے گا۔ الا واحد عمل۔ اور وہ صرف صبر کا عمل ہے۔

بے صبری میں آکر اپنے آپ کو اور ہم کو سعادت دارین کا شرف سے محروم نہ کیجئے

مرحوم و مغفور اعلیٰ حضرت قبلہ ابا جان رحمۃ اللہ علیہ نے چودہ برس تک جس صبر کی آپ کو تلقین فرمائی ہے تمام عمر اس پر قائم رہیں وہ سبق بقیۃ العمر بھول نہ جائیے

برادر عزیز مولوی محمد انور سلمہٗ۔ مولوی حمید اللہ سلمہٗ۔ طاہرہ بی بی۔ زاہدہ بی بی عزیزی محمد اجمل سلمہٗ عزیزی محمد اکمل سلمہٗ عزیزہ رقیہ بی بی سلمہا عزیزہ مریم بی بی سلمہا اور ان کا بھائی اور ہمشیرہ صاحبہ اور ان کے سب بچوں کو سلام مسنون والسلام

مع الاکرام ۱۰ ربیع الثانی ۱۳۸۲ھ ۹ ستمبر ۱۹۶۲ء یوم الاحد

ستر خدا کہ عارف و سالک بہ کس نہ گفت
در حیرتم کہ بادہ فروش از کجا شنید!

حضرت مولانا احمد علیؒ کا "کشف القبور"

(جناب احسان قریشی صابری پرنسپل گورنمنٹ کمرشل ٹریننگ انسٹیٹیوٹ سیالکوٹ)

راقم الحروف کو حضرت شیخ التفسیرؒ سے عمر بھر میں صرف ایک دفعہ ہی ملنے کا اتفاق ہوا ہے اور وہ ایک ملاقات ہی ایسی ملاقات ہے جس پر ہزاروں ملاقاتیں قربان کی جا سکتی ہیں سرکاری فرائض نے مجھے اتنی فرصت ہی نہیں دی کہ حضرت اقدس

کے پاس اکثر جایا کرتا۔ بلکہ اپنے پیر و مرشد حضرت اقدس مولانا مفتی محمد حسن رحمتہ اللہ علیہ کی زیارت کے لیے بھی کبھی کبھار ہی موقع ملتا حضرت مفتی صاحبؒ بھی اکثر احقر کو سرزنش کرتے رہتے تھے کہ تم لاہور کیوں بہت کم آیا کرتے ہو؟ امرتسر میں تو تم روزانہ آ سکتے تھے، قیام پاکستان کے بعد تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ میں پھر گھریلو مجبوریاں چند نامساعد حالات بیان کرتا اور حضرت مفتی صاحبؒ کی تسلی ہو جاتی ہو

چھ سات سال کا عرصہ ہوا کہ احقر نے اخبارات میں ایک خبر پڑھی کہ حضرت شیخ التفسیرؒ نے اپنے ایک کشف کی بنا پر یہ فرمایا ہے کہ حضرت علی ہجویری کی قبر قلعہ لاہور میں ہے میں اس خبر پر بہت حیران ہوا اور دل میں ٹھان لی کہ کسی جمعرات کو لاہور جا کر حضرت مولانا احمد علیؒ صاحب سے ضرور ملاقات کروں گا۔ حضرت کی زیارت بھی ہو جائے گی اور اپنے دل کے شکوک بھی رفع کر دوں گا کہ حضرت علی ہجویری کی قبر قلعہ لاہور میں کیسے ہو سکتی ہے۔

چنانچہ میں اگلی جمعرات لاہور روانہ ہو گیا صحیح تاریخ یاد نہیں رہی۔ لیکن موسم بہار تھا پہلے میں نیلا گنبد پہنچا اور وہاں حضرت اقدس مفتی محمد حسن علیہ الرحمتہ کی خدمت میں حاضری دی پھر ان سے عرض کیا کہ احقر نے مولانا احمد علیؒ صاحب سے ملنا ہے اور فلاں فلاں بات کے متعلق حضرت سے گفتگو کرنی ہے

حضرت مفتی صاحب نے فرمایا ،، میاں احسان! وہاں شوق سے جاؤ لیکن ادب ملحوظ خاطر رہے جتنا تم میرا ادب کرتے ہو ان سے دس گنا زیادہ ان کا ادب کرنا یاد رکھو اس وقت سلسلہ عالیہ قادریہ کا کوئی شیخ یا ایسا بشر روئے زمین پر زندہ انسانوں میں موجود نہیں جیسے مولانا احمد علیؒ ہیں۔

تمہاری باتوں سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ جیسے تمہیں ان کی بات کا یقین نہیں کہ حضرت علی ہجویری کی قبر قلعہ لاہور میں موجود ہے۔ تم شوق سے ان سے سوالات پوچھو لیکن ادب ملحوظ خاطر رہے۔ مولانا احمد علیؒ کی آواز سے زیادہ اونچی آواز بھی مت نکالنا۔ تم انگریزی خواں انسانوں میں ایک کمی میں نے دیکھی ہے کہ جب کوئی شیخ پکڑتے ہیں تو اس کا ادب تو بہت کرتے ہیں لیکن دوسرے سلاسل کے بزرگوں کا ادب کما حقہ نہیں کرتے،،

میں حضرت مفتی صاحب سے دست بستہ عرض کی کہ حضرت احقر اپنے آپ کو حضرت مولانا احمد علی صاحب کی جوتیوں کی خاک کے قابل بھی نہیں سمجھتا حضرت مولانا کی جوتیوں کی خاک بھی تو ہم لوگوں سے کئی گنا افضل ہے۔ آپ اطمینان رکھیں احقر بڑے ہی ادب سے گفتگو کرے گا۔

احقر نماز عصر کے وقت مسجد شیرانوالہ پہنچ گیا۔ اتفاق سے حضرت مقررہ وقت سے دس پندرہ منٹ پہلے ہی تشریف لے آئے تھے میں نے حضرت سے عرض کی کہ میں سیالکوٹ سے آیا ہوں اور صرف ۵ منٹ تخلیہ میں گفتگو کرنے کی درخواست کرتا ہوں۔ حضرت نے اپنے پاس بیٹھے ہوئے حضرات کو ۵ منٹ کے لیے دور چلے جانے کا مشورہ دیا۔

احقر نے خلوت کے وقت عرض کی کہ حضرت قلعہ لاہور میں حضرت علی ہجویری کا مزار جو آنجناب نے کشف القبور کے علم کے ذریعہ معلوم کیا ہے وہ انہی علی ہجویری کا مزار ہے جنہیں عرف عام میں داتا گنج بخش کے نام سے یاد کیا جاتا ہے؟ یہ بھی علی ہجویری نام کے بزرگ ہیں۔

حضرتؒ نے فرمایا "قلعہ لاہور میں مدفون بزرگ اور بھاٹی دروازہ میں دفن شدہ بزرگ دونوں ، ایک ہی نام ، ایک ہی شہر اور ایک ہی محلہ کے رہنے والے ہیں ۔ میں دونوں کو اہل اللہ میں سے سمجھتا ہوں ۔"

میں نے خیال کیا کہ حضرتؒ اس کی تفصیلات میں نہیں جانا چاہتے ۔ چنانچہ میں نے اجازت چاہی تو نہ جانے کیوں حضرتؒ نے مجھے بیٹھ جانے کا حکم دیا اور فرمایا ۔

"مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم کو میری بات پر اعتبار نہیں آیا کہ ایک اور علی ہجویریؒ بھی قلعہ لاہور میں مدفون ہیں ۔ میں نے عرض کی اگر ہاں میں جواب دیتا ہوں تو سوءِ ادب ہے جس سے میرے مرشد نے مجھے منع فرمایا ہے ۔ اگر نہ میں جواب دیتا ہوں تو کذب بیانی ہے ۔" فرمانے لگے تم کس کے مرید ہو ۔ عرض کی حضرت مولانا مفتی محمد حسن سے ارادت ہے ۔ فرمایا تمہارے شیخ بہت بڑے بزرگ ہیں ۔ ان کے مدارج بحمد اللہ بلند ہیں ۔ پھر پوچھا "میری بات صحیح تھی یا کہ تم کو میری بات میں شک ہے ؟"

میں نے عرض کی "حضرت ! سوءِ ادب کی ضمانت کی امان پاؤں تو عرض کروں ؟" فرمایا "نہیں نہیں ۔ صاف بات کرو اس میں کوئی سوءِ ادب نہیں " میں نے عرض کیا "حضرت آپ نے ۵ منٹ کا وقفہ لیا تھا مگر اب ۱۵ منٹ ہو گئے ہیں ، وعدہ خلافی کر رہا ہوں ۔ فرمایا "نہیں نہیں وقت کافی ہے " میں نے عرض کیا "حضرات پھر مجھے شک ہے کہ علی ہجویری نام کوئی اور بزرگ اسی نام کے موجود ہیں " حضرت نے فرمایا کہ اب تم نے سچ کہا

ہے اور اپنے دل کی بات کھول کر کہی ہے اب تم اس طرح کرو کہ دو تین منٹ کے لیے مراقبہ میں بیٹھو اور دل میں اس بات پر غور کرو۔ کہ علی ہجویری نامی کوئی دوسرے بزرگ لاہور کے قلعہ میں مدفون نہیں ہیں چنانچہ احقر نے آنکھیں بند کیں اور مراقبہ میں چلا گیا۔ ناگاہ کیا دیکھتا ہوں کہ قلعہ لاہور میں بیٹھا ہوں اور وہاں کی ایک قبر شق ہوئی اور ایک بزرگ سفید لباس، نورانی صورت وہاں سے نمودار ہوئے ہیں اور ارشاد فرماتے ہیں کہ وہ "علی ہجویریؒ میرے ہم نام ہم شہر اور ہم وطن ہیں" اتنا کہہ کر وہ بزرگ غائب ہو گئے۔ اور میں نے آنکھیں کھول دیں میں نے حضرت کے ہاتھ چومے اور واپس آگیا۔

حضرت علامہ اقبالؒ نے کیا خوب کہا ہے۔

تمنا درد دل کی ہو تو کر خدمت فقیروں کی
نہیں ملتے یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں میں
نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی ارادت ہو تو دیکھ ان کو
ید بیضا لیے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں
جلا سکتی ہے شمع کشتہ کو موج نفس ان کی
الٰہی کیا چھپا ہوتا ہے اہل دل کے سینوں میں
ترستی ہے نگاہ نارسا جس کے نظارے کو
وہ رونق انجمن کی ہے انہی خلوت گزینوں میں

واقعی حضرت شیخ التفسیرؒ کا علم کشف القبور اکمل تھا حضرت کا کمال تھا کہ بیداری میں ہی احقر کو ان قلعہ لاہور والے بزرگوں کی زیارت کرا دی اور ۲ منٹ

میں ہی حضرت کی کرامت سے مجھے بہت کچھ حاصل ہوگیا وہ کچھ حاصل ہوگیا جو
”جادہ صدسالہ“ سے بھی نہیں ملتا فقط سلام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم الحمد للہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد

اللہ کا رنگ!

از مولانا عبیداللہ مدظلہ العالی

صِبْغَۃَ اللّٰہِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰہِ صِبْغَۃً (سورۃ البقرہ پ۱ رکوع ۱۶)

ترجمہ:- رنگ اللہ تعالیٰ کا، اور کس کا رنگ بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ کے رنگ سے — یہ قرآن مجید کی ایک آیت کا چھوٹا سا ٹکڑا ہے۔ حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ والے شریعت کے رنگ میں بالکل رنگے ہوتے ہیں۔ اور جو کوئی بھی اُن کے پاس جاتا ہے اسی رنگ میں رنگا جاتا ہے۔ پھر شریعت اُس کا ظاہر اور روح شریعت اس کا باطن بن جاتی ہے۔ اُس کا حال قال اور قال حال بن جاتا ہے انسان مرکب ہے دو چیزوں سے روح اور جسم۔

جس طرح مادی جسم کے کچھ تقاضے اور ضروریات ہیں۔ بعینہٖ اسیطرح روح کے بھی تقاضے اور ضروریات ہیں۔ اور جس طرح جسمانی عوارض کے لئے دواؤں کی کمی نہیں۔ روحانی بیماریوں کے بھی شافی علاج موجود ہیں دُنیا میں جسقدر سامان اسباب ہیں وہ زندگی کے ظاہری حسن کو نکھارتے ہیں۔ اور اسکی ضروریات کو (معاشرہ) بغیر کسی ضابطہ حیات کے دُنیا میں پنپ نہیں سکتا۔ اور کوئی حکومت دستور العمل اور قانون کی عدم موجودگی

میں ایک دن بھی کام جاری نہیں رکھ سکتی۔

ہر حکومت کے اپنے اپنے قوانین ہیں۔ ہر معاشرہ ایک الگ ضابطۂ حیات اپنے اندر رکھتا ہے۔ حتیٰ کہ بھنگیوں اور چوہڑوں کا بھی ایک دستور العمل ہے۔ ضابطۂ حیات ہے۔ ان کے ہاں بھی رسوم و رواج ہیں۔ شادی یا غمی انکی لین دین اور دیگر معاملات سے طے کرنے کے طریقے اور اصول ہیں۔ اور باہمی رابطہ و ضبط کے کچھ قانون انہوں نے بھی مقرر کر رکھے ہیں۔

دنیوی حکومتیں بھی اگر کوئی شخص غلطی کرے۔ کسی کے مال کو غصب کرے چوری کرے، ڈاکہ ڈالے یا کسی کی عزت پر ہاتھ صاف کرے تو اسے قانون کے مطابق ضرور سزا دیتی ہیں مجرموں کا باقاعدہ محاسبہ ہوتا ہے بالکل اسی طرح شریعت اسلامیہ خدائے قدوس کے وضع کردہ قوانین اور حدود کی پابندی انسانوں سے کرانا چاہتی ہے اور جزا و سزا کا ایک ضابطہ اپنے اندر رکھتی ہے۔

کائنات انسانی کے لئے آخری دستور حیات اور لائحہ عمل قرآن عزیز ہے۔ اسکی شرح حدیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل میں موجود ہے۔ جو شخص بھی کتاب و سنت کی مخالفت قولاً، فعلاً، اشارۃً یا کنایۃً کسی رنگ میں بھی کرے گا۔ احکم الحاکمین کی بارگاہ میں مغضوب ہوگا۔ اور دنیا و آخرت میں ہر جگہ خائب و خاسر ہوگا۔ بیشک اللہ کی گرفت بہت سخت ہے۔ اور کوئی اسکی پکڑ سے ہرگز بچ نہیں سکتا۔ کیونکہ۔

شریعت اسلامی کے قوانین اور اس کے اصولوں کی اشاعت تعلیم۔
اور حفاظت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کے دروازہ کے غلام علمائے کرام کی ذمہ داری ہے۔ لیکن اس کا عملی رنگ صوفیائے عظام چڑھاتے ہیں اور قال کو حال بنا دیتے ہیں۔ حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے " رنگ ہے قرآن۔ رنگ فروش ہیں علمائے کرام اور رنگ ساز ہیں صوفیائے عظام "۔

انسان جب اللہ والوں کی صحبت اختیار کرتا ہے۔ تو روحِ شریعت اس کا باطن بنکر بہت جلد ترقی کر لیتی ہے۔ اور وہ احسان کے درجہ تک پہنچ جاتا ہے۔ مشکوٰۃ شریف میں حدیث ہے۔ کہ ایک مرتبہ جبرائیل علیہ السلام حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور چند سوال کرنے کے بعد آخر میں یہ پوچھا "ما الاحسان یا رسول اللہ" یا رسول اللہ احسان کیا ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ اَلْاِحْسَانُ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ تَرَاہُ فَاِنَّہٗ یَرَاکَ ترجمہ :۔ احسان یہ ہے کہ تو خدا کی عبادت اسطرح یعنی یہ سمجھ کر کرے کہ گویا تو اس کو دیکھ رہا ہے۔ (یعنی اسکے حضور میں حاضر ہے) اور ایسا نہ ہو (یعنی اتنا حضورِ قلب نہ ہو) تو اتنا تو ضروری ہے۔ گویا خدا تجھ کو دیکھ رہا ہے۔

اگر یہ کیفیت انسان میں پیدا ہو جائے۔ کہ وہ ہر لمحۂ حیات میں خدا کو دیکھ رہا ہو اور اگر کسی وجہ سے یہ صورت حال پیدا نہ بھی ہو سکے تو کم از کم یہ خیال اسکا پختہ ہو جائے۔ کہ خدا اسے ہر گھڑی اور ہر آن دیکھ رہا ہے تو پھر اس سے گناہ ہو ہی نہیں سکتا۔ بے ایمانی، دھوکا بازی، فریب کاری، لین دین میں بددیانتی عبادات اور معاملات

میں غفلت اور کوتاہی اُسکے قریب بھی نہیں پھٹک سکتی۔ بلکہ اسکے برعکس وہ عبادت میں نہایت خضوع، خشوع اور انکساری اختیار کرنے پہ مجبور رہوگا ــــ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی عبادت صدق دلی اور خضوع خشوع سے کرنا اور حقوق العباد کی ادائیگی میں کسی قسم کی کوتاہی یا غفلت نہ برتنے کا نام ہی احسان ہے جسے بعد میں تصوف کے نام سے تعبیر کیا جانے لگا ــــ تصوف ایمان باللہ ایمان بالرسول اور ایمان بالیوم الآخر میں پختگی پیدا کرتا ہے۔ ایمان بنیاد ہے۔ اعمال کی۔ اگر انسان میں ایمان نہ ہو تو اسکا کوئی عمل مقبول بارگاہِ الٰہی نہیں ہوگا اسیطرح جو اعمال ظاہری نمود و نمائش دنیوی منافع اور حظوظ النفس کیلئے کئے جائیں وہ بھی مردود ہیں۔ انکی کوئی وقعت خداوند قدوس کے حضور میں نہیں ہوتی۔ اعمال وہی مقبول بارگاہِ خداوندی ہیں جنمیں اخلاص ہو اور جو فقط اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے کئے جائیں ایسے ہی اعمال کرنیوالے لوگوں کی دنیا قبر، حشر اور آخرت بہتر ہو جاتی ہے۔ اور وہ کامیابی و کامرانی اور فلاح دارین سے سرفراز ہوتے ہیں۔

کسقدر افسوس کی بات ہے کہ تصوف انسان کو ہر چیز سے توڑ کر خدا سے جوڑتا ہے اور دنیا و آخرت کی جاودانی کامیابیوں سے ہمکنار کر دیتا ہے لیکن آج اسکے متعلق بھی غلط فہمیاں بعض حلقوں میں پائی جاتی ہیں اور اسے عجمی سازش کہہ کر نظر انداز کرنیکی کوششیں بھی ہو رہی ہیں ــــ لیکن پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائیگا اسے بہرحال روشن رہنا ہے۔ ہاں ہم اس مفروضہ تصوف کے حق میں نہیں جو شرک و بدعت اور کتاب و سنت کی خلاف ورزی سے بیج بوتا ہے۔ ایسے تصوف کو تو مٹ ہی جانا چاہیئے۔

تصوف وہی قابل قبول ہے جو کتاب و سنت کے مطابق ہے۔ اور اسی قسم کے تصوف کے نتائج بھی خوش آئندہ اور بار آور ہوتے ہیں۔ تصوف کو فضول کہنے والے اگر صرف اسی

حقیقت پر غور فرمائیں۔ کہ جہاں جہاں صوفیوں کے توسط سے اسلام گیا ہے۔ اور جن جن ممالک میں اللہ والوں کی کثرت رہی ہے۔ وہاں وہاں اسلام کے چراغ آج بھی روشن ہیں۔ اور اپنی ضیا پاشیوں سے ایک عالم کو منور کر رہے ہیں۔ آپ نے اسپین وغرناطہ اور مغربی ممالک میں بھی اسلام کا حشر دیکھا کہ جہاں اسلام فاتحین کے ذریعہ گیا تھا اور آپ ہندو پاک کے برصغیر میں بھی اسلامی عظمت وشان کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔ کہ جہاں کہیں معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ نے اللہ کے دین کی قندیل روشن کی کہیں علی ہجویری معروف بہ داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے دینی روشنی کا مینار نصب کیا اور کہیں امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اور شاہ ولی اللہ نور اللہ مرقدہ اکابر دیوبند اور دیگر بزرگان دین کے انوار روحانی نے فضاؤں کو بقعۂ نور بنائے رکھا۔ اسپین مغربی ممالک سے دین خداوندی کس مپرسی کے عالم میں جلا وطنی اختیار کر چکا ہے لیکن ان ممالک میں جہاں اللہ والوں کے فیوض وبرکات پہنچے آج بھی اللہ کے نام کی مشعلیں روشن ہیں تعلیم نبوی کے چراغ جابجا فروزاں ہیں اور ان بزرگان دین کے انمٹ نقوش آج بھی پوری آب وتاب سے چمک رہے ہیں —— اہل اللہ کی کوششوں اور کاوشوں سے دین حق کا باغ ہرا بھرا نظر آرہا ہے۔ انکے اخلاص روح پرور نے چمنستان اسلام کے اشجار طیبہ کو اس آیت مقدسہ کی تفسیر بنا دیا ہے کشجرۃ طیبۃ اصلھا ثابت وفرعھا فی السماء گویا وہ ایک پاک درخت ہے۔ کہ جسکی جڑ مضبوط اور اس کی شاخ آسمان میں ہے —— یہ فیضان ہے۔ اللہ کے برگزیدہ اور رحمت احسان سے معمور پاکباز بندوں کا کہ اس گلستان بہار آفریں کو خزاں کے تند وتیز تھپیڑوں کا کوئی خدشہ نہیں۔ یہ چمن سدا بہار ہے اور اپنی شگفتہ بہاروں سے عنقریب

کے قلوب ہمیشہ تر و تازہ اور معطر کرتا رہیگا اُن نفوس قدسیہ اور مقبولان بارگاہِ الٰہی نے کتاب و سنت کا وہ رنگ چڑھایا ہے۔ کہ صدیاں گزرنے پر بھی اسکا اُجلاپن باقی ہے۔ اور انشاء اللہ تا ابد باقی رہیگا ــــ نصرانیوں میں بپتسمہ کا دستور تھا۔ انہوں نے ایک رنگ بنا رکھا تھا۔ اور انکے ہاں یہ رسم تھی کہ جب کوئی بچہ پیدا ہوتا اور یا کوئی شخص اگر انکا مذہب قبول کرتا تو وہ اُسے رنگ میں غوطہ دیکر کہتے خاصہ پاکیزہ نصرانی ہوگیا ہے"۔ سو اللہ عزوجلہ نے اس چھوٹے سے ٹکڑے میں جو میں نے شروع میں تلاوت کیا فرمایا ہے۔ کہ اے مسلمانو! کہو کہ ہم نے خدا کا رنگ یعنی دین حق قبول کر لیا۔ اس دین میں داخل ہو کر انسان ہر طرح کی نجاستوں سے پاک ہو جاتا ہے۔ ہر قسم کی پلیدی اور ناپاکی سے اُسے رہائی مل جاتی ہے۔ اُسے مکمل طہارت اور تزکیہ حاصل ہو جاتا ہے۔ اس رنگ میں رنگے جانے کے بعد کسی اور رنگ کی ضرورت اُسے باقی نہیں رہتی اور ان نقوش مقدسہ سے وہ عفت و انسانیت کی ایک ایسی نظر افروز اور روح پرور تصویر بن جاتا ہے۔ کہ جسکی نظیر ڈھونڈے سے بھی غیر مذاہب میں نہیں مل سکتی ــــ اے اللہ ہمیں برائیوں سے بچنے کی توفیق عطا فرما۔ ہمارا کامل تزکیہ فرما دے کتاب و سنت کے انوار پھیلانے میں ہماری دستگیری کر اور ہمیں خالص اپنے رنگ میں رنگنے کے بعد دُنیا سے اٹھا یا اللہ ہمیں شرک، کفر، حسد، عجب، ریا، بدعات اور دیگر روحانی بیماریوں سے مکمل نجات دیکر ہمارا خاتمہ ایمان کامل پر فرما اور ہمیں حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کے نقش قدم پر چل کر کتاب و سنت کی ترویج و اشاعت کی توفیق دے۔ آمین۔

واخر دعونا ان الحمد للہ رب العالمین وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد و آلہ و اصحابہ اجمعین
برحمتک یا ارحم الراحمین

تازہ خواہی داشتن گرد اغہائے سینہ را
گاہے گاہے باز خواں ایں قصۂ پارینہ را

حضرت شیخ کا توکل

از کیپٹن غازی خدا بخش حبیب قصہ لاہور

عملی پہلو:۔ حضرت مولانا احمد علی رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کا عملی پہلو سب سے نمایاں پہلو ہے۔ تاریخ کی ورق گردانی کریں تو ہمیں متعدد رہنما ایسے نظر آئیں گے جنہوں نے شاندار نظریے پیش کیے زریں اقوال کے بیش بہا موتی لنڈھائے لیکن ان کی اپنی زندگی یکسر کردار سے خالی رہی۔

حضرت نے تمام عمر کا سرمایہ تعلیم و تدریس قرآن عزیز میں صرف کر دیا اور قرآنی احکام پہ ہی عمل پیرا رہے۔ قرآن عزیز نے سکھایا اُمِرْتُ اَنْ اُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (المؤمن ع ۷) مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں رب العالمین کے آگے سر جھکاؤں۔

۱۹۴۸ء کی جنگ کشمیر کا ایک واقعہ عرض کر دیں تو توکل کا موضوع جو حضرت مولینا احمد علی رحمۃ اللہ علیہ نے سکھایا تھا اس سے دور نہ ہوں گے۔ پونچھ کے پہاڑ ہیں پیر بڈھیر کے قلعہ کوہ سے ہندوستانی فوج کے او۔پی لے دیکھا کہ خچریں آزاد فوج کا راشن لا رہی ہیں چنانچہ مارٹر کے سولہ گولے پھنکوائے ہم پہاڑ کے دامن میں محمود خاں آزاد کمانڈر کی چند کمپنیوں کو جمع کر کے قرآنی جہاد پر تقریر کر رہے تھے۔ سر کے اوپر سے جب پہلا بم گزرا تو اپنے سپاہیوں میں کچھ پریشانی محسوس کی۔ للکار کر دہی آیت پڑھی۔

"لا تحزن ان اللہ معنا"

فوجی مطمئن ہو گئے اور نقر برجاری رکھی۔ شام کے بعد جب راشن سٹور میں گئے تو دیکھا کہ گیارہ بم کھیتوں میں پڑے ہیں پانچ بم جو سٹور کی عمارت کو لگے ان سے صرف ایک چارپائی ٹوٹی باقی تمام سپاہی صحیح سلامت، اللہ اللہ جب اللہ کی معیت ہو تو پھر نقصان اور غم کیا، سب کا حوصلہ بڑھ گیا اور جم کر مقابلہ کیا۔

حضرت مولانا احمد علی رحمۃ اللہ علیہ کی سیرت میں توکل کے بیسیوں واقعات پیش کئے جا سکتے ہیں لیکن ان کے توکل کے ایک دو واقعات ہی کافی وشافی ہیں مجلس ذکر میں فرمایا کرتے تھے ؎

قال را بگزار بنگر بسوئے حال
بر اشہد تو خندہ زند اشہد بلال

لاہور کی زندگی کے ابتدائی ایام ہیں گرمی کا موسم ہے اور حضرتؒ بیمار ہو گئے ڈاکٹر کو لایا گیا تو اس نے گھر کے اثاثے کا جائزہ جو لیا تو چند مٹی کے برتن پائے اور وہ بھی خالی تھے تہبند اوپر اوڑھے لیٹے ہوئے ہیں مکان کی تنگی کی وجہ سے ضیق النفس کا عارضہ لاحق ہوتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب معائنہ کرنے کے بعد باہر آئے اور ہمیں کوسنا شروع کیا کہ اتنے جید عالم اور ان کے گھر کی یہ حالت۔ ہوش کریں فوراً مکان پہلے تبدیل کریں ایک یہ حالت تھی۔ اور ایک ایسا وقت بھی آیا کہ مع اہل وعیال تیرہ بار مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کو تشریف لے جاتے ہیں۔ ایک دفعہ واپس آ کر فرمایا کہ اس دفعہ نو ہزار روپیہ صرف ہوا ہے اور عزیزی حبیب اللہ کی خاطر داری اور تواضع اس کے علاوہ ہے یہ ہے نتیجہ توکل کرنے والا جب صحیح توکل اختیار کرتے

ہوئے صبر کرتا ہے تو پھر اللہ ساتھ ہو جاتا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ؕ
اللہ کی معیت ہو تو پھر یوں چھپر پھاڑ کر دیتا ہے کہ کسی امیر رئیس کو اتنی دفعہ حجاز مقدس جانا میسر نہیں آتا جتنی دفعہ اللہ تعالیٰ حضرت مولانا احمد علی رحمۃ اللہ علیہ کو مع اہل وعیال ہوائی جہاز میں لے گیا۔

دوسرا واقعہ سنئے!۔

راقم اور مولانا عبید اللہ انور موجودہ امیر انجمن کو خیال آیا کہ حضرت نے مسجد میں ٹونٹی ہوا دیں لیکن اس وقت ان کے مرمت فنڈ میں قلت ہے۔ دونوں نے حضرت کی خدمت میں عرض کیا۔ اور جمعہ میں اپیل کی درخواست فرمایا

"میرے کام تو سب توکل پر چلتے ہیں پچھلے دنوں اللہ تعالیٰ نے دو آدمیوں کو بھیجا۔ انہوں نے فرمایا ہم کچھ رقم اللہ کی راہ میں خرچ کرنا چاہتے ہیں ان سے کہا گیا کہ انجمن خدام الدین عکسی قرآن عزیز چھپوانا چاہتی ہے۔ اس کی آمدنی میں نہ کوئی میرا حصہ ہے نہ میرے بچوں کا۔ لہٰذا یہی اس وقت کار خیر سامنے ہے آپ چھپوا دیں انہوں نے کہا کیا اندازہ ہوگا آپ نے فرمایا اندازہ لگوا دیا جائے گا۔ چند دنوں کے بعد وہ دونوں حضرات پھر آئے اور عرض کیا "کیا اندازہ ہے" حضرت نے فرمایا "پچاس ہزار روپیہ کا اندازہ پریس والوں نے لگایا ہے"۔ چنانچہ انہوں نے پچاس ہزار روپیہ پیش کر دیا۔ بیٹھو! میں کوئی اپیل نہیں کرتا میرے کام تو اسی طرح توکل پر چلتے ہیں"

اب اسی عکسی قرآن عزیز پر قریباً ایک لاکھ روپیہ صرف ہو کر شائع ہوا ہے
دوستو! حضرت مولانا احمد علی رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن عزیز کی سورۂ انفال

سے قانونِ جنگ کی پہلی دفعہ یہ پڑھائی تھی۔ آیہ:۔ یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِذَا لَقِیْتُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْھُمُ الْاَدْبَارَ ۝

ترجمہ:۔ اے ایمان والو! جب تم کافروں سے میدانِ جنگ میں ملو تو ان سے پیٹھیں نہ پھیرو۔

چنانچہ تعمیل قرآن کے ذریعہ جو جہاد، کفر و شرک، الحاد و زندقہ کے خلاف شروع کیا وہ ۱۶ رمضان المبارک تک جاری رکھا آپ نے فارغ التحصیل علماء کرام کو دوسرا پارہ شروع کرا یا تھا ۱۷ رمضان المبارک کو یوم تعطیل تھا جمعۃ المبارک تھا کہ اعلیٰ علیین کو سدھار گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

یہ تھا جہاد کا حق ادا کرنا کہ زیست کے آخری دن تک باطل کے خلاف بنیانِ مرصوص بن کر قرآن عزیز ہاتھ میں لیے کھڑے رہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی قبر کو نور سے بھر دے۔ آمین ثم آمین۔

شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی صاحب رحمۃ اللہ و نور اللہ مرقدہٗ

اور

شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد المدنی قدس سرہٗ

حضرت مولانا سید حامد میاں صاحب جلیفہ مدظلہ العالی خلیفہ مجاز شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہٗ

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں متعدد بار حاضری ہوئی اور ہر مرتبہ آپ کی مجلس میں یہی محسوس ہوا کہ جیسے حضرت مدنی قدس سرہٗ کی دوری بلکہ وفات نے بھی ان

کی محبت میں کوئی فرق نہیں پیدا کیا۔ حالانکہ یہ دونوں ہی چیزیں جذبہ محبت کو سرد کرنے والی ہوتی ہیں بقول شاعر ؎

طبیعت کو ہوگا قلق چند روز
سنبھلتے سنبھلتے سنبھل جائے گی

ایک مرتبہ حاضری ہوئی تو حضرت نے ارشاد فرمایا کہ میرے پاس حضرت مدنی کا ایک مکتوب ہے۔ جو میرے لیے ذریعہ نجات ہے یہ فرمانے کے بعد ایک چوکھٹے میں جڑا ہوا مکتوب لائے۔ ایک تمہیدی تقریر فرمائی۔ کہ کامل وہ ہوتا ہے جو تحریر دیکھ کر ہی دل کے حالات معلوم کرے میں نے تقسیم ہند کے بعد حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں لکھا کہ ہم بہت دور ہو گئے ہیں۔ جس پر حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے یہ مکتوب تحریر فرمایا جسے میں ذخیرۂ آخرت سمجھتا ہوں۔

مکتوب کا متن تو مجھے مستحضر نہیں رہا البتہ یہ مفہوم یاد ہے کہ جواب میں حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے پر اثر الفاظ میں تشفی دی۔ کہ تحریر تھا! ہمارا تعلق جسمانی قرب و بعد پر منحصر نہیں ہے۔ یہ ایسا تعلق ہے جو ہمیشہ رہنے والا ہے۔ ہم سب ہی حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ کے دریوزہ گر اور خواجہ تاش ہیں۔"

حضرت شیخ التفسیر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں نے اپنے خط میں ایسا تاثر ظاہر نہیں کیا تھا۔ لیکن حضرت مدنی (قدس سرہٗ) کامل تھے۔ اس لیے میری قلبی کیفیت ان پر منعکس ہوئی کہ میں نے اگرچہ الفاظ ایسے نہیں لکھے تھے لیکن لکھتے وقت مجھ پر رقت کا عالم تھا۔ حضرت مدنیؒ نے جواب میں میری قلبی کیفیت کا خیال فرمایا۔ اور یہی شیخ کا کمال ہے۔ شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی صاحب نور اللہ مرقدہٗ

کے حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ تعلق سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا تعلق محض لوجہ اللہ تھا۔ اور یہ تعلق بھی شریعت میں نہایت پسندیدہ ہے۔ حدیث شریف میں وارد ہے۔ این المتحابون لجلالی۔ الیوم اظلھم فی ظلی یوم لا ظل الا ظلی۔

یعنی قیامت کے دن اعلان ہوگا کہ وہ لوگ کہاں ہیں کہ جو میری (اور میرے دین کی) عظمت کی خاطر آپس میں محبت رکھتے تھے آج میں انہیں اپنے سایہ (رحمت) میں جگہ دوں گا۔ جس دن بجز میرے سایہ کے کوئی سایہ نہیں۔

یہ کتنی بڑی بشارت ہے کہ جس کے مستحق ہمیں حضرت شیخ التفسیر قدس سرہ نظر آتے ہیں۔

۹۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ میں ایسے ہی نہیں بلکہ علی وجہ البصیرت کہتا ہوں کہ روئے زمین پہ حضرت مدنی قدس سرہ جیسی کوئی دوسری جامع و بلند پایہ شخصیت موجود نہیں ہے۔ فرمایا کہ مجھے حضرت مدنیؒ کے سامنے گھنٹوں بھی اگر بیٹھنا ہوتا تو ہمیشہ دوزانو بیٹھا کرتا تھا۔ اور میں نے یہ خواہش کی کہ میری ڈاڑھی کے بال حضرت کی مبارک جوتیوں میں سی دیے جائیں"۔

اس سے جہاں حضرت مدنی نور اللہ مرقدہ کی بلندی مقام ظاہر ہوتی ہے وہاں حضرت شیخ التفسیر قدس سرہ کی غایت درجہ تواضع و انکساری بھی ظاہر ہوتی ہے آج کل مرید اپنے شیخ سے اتنی عقیدت رکھتے نظر نہیں آتے۔ چہ جائیکہ ایک شیخ کامل دوسرے شیخ کامل سے۔

ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے برسر منبر فرمایا کہ یاایھا الناس

تواضعوفانی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول من تواضع للہ رفعہ اللہ (او کما قال) اے لوگوں! تواضع اختیار کرو کیونکہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو اللہ کو خوش کرنے کے لیے تواضع اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے بلندی نصیب فرماتا ہے۔

کیا ٹھکانا ہے اس عظمت و رفعت کا جو اللہ تعالیٰ نے حضرت شیخ التفسیر کو اس کی جزا میں عطا فرمائی۔ کہ پاکستان میں (پاکستانی) مشائخ طریقت میں کسی سے اتنا فیض نہیں پہنچا جتنا حضرت سے پھیلا۔ اور آپ سرگردہ علماء قرار پائے

۳۔ حضرت شیخ التفسیر قدس سرہٗ اکل حلال اور اس کی سعی بلیغ کے لیے بار بار تاکید فرمایا کرتے تھے۔ اور ان کی تاکید ان حضرات کو بھی شامل ہوتی تھی۔ کہ جنہوں نے روپیہ خود نہیں حاصل کیا بلکہ انہیں کسی نے ہدیۃً دے دیا۔ کہ وہ غور کریں کہ جائز ذرائع سے آیا ہے یا نہیں؟ اس میں علماء صلحاء اور مشائخ سب ہی کے لیے عبرت ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

جن احادیث مقدسہ میں تاکید اکل حلال کی آئی ہے وہ بہت زیادہ ہیں لیکن اس تاکید کو پیش کرنے والے علماء کم اور عمل کرنے والے حضرات بہت ہی کم ہیں۔ قال اللہ تعالےٰ وکلوا مما رزقنکم حلالاً طیباً۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق خیر بخشیں۔

۴۔ حدیث شریف میں وارد ہے لیس منا من لم یرحم صغیرنا۔ — حضرت شیخ التفسیر قدس سرہٗ باوجود اس بلند پایہ شخصیت کے مالک ہونے کے چھوٹوں کے ساتھ بھی بہت شفقت فرماتے تھے — میرا نام بھی

ان ہی چھوٹوں کی فہرست میں ہے کہ جن کی درخواست پر بار بار تسلی بلکہ بشارات کے کمالات ارشاد فرماتے۔ ایک مرتبہ جامعہ کی مالی کمی کا تذکرہ تھا حضرت اقدس نے دعائیں بھی دیں اور اپنی بعض مخصوص دعائیں بھی ایک طویل تمہید کے بعد تعلیم فرمائیں۔ فجزاہ اللہ عنی خیرًا۔

۵۔ ایک مرتبہ حضرت مولانا مفتی محمود احمد صاحب مدظلہٗ رکن قومی اسمبلی ہمارے ہاں تشریف فرما تھے۔ میں نے تذکرہ کیا کہ میرے بعض معتبر احباب نے بیان کیا کہ حضرت شیخ التفسیر رحمۃ اللہ علیہ کے مزار سے خوشبو آتی رہی، بلکہ محمود صاحب نے تو وہ مٹی اپنے پاس رکھی تھی۔ اور اس میں معلوم ہوتا تھا کہ ذاتی خوشبو تھی۔

اس پر جو حضرت مفتی صاحب نے جواب ارشاد فرمایا وہ مجھے بہت ہی پسند آیا۔ کہ اس میں کیا تعجب ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث شریف کی خدمت میں عمر گذاری تھی تو ان کے مزار سے خوشبو آتی رہی اور مٹی مشک ہوتی رہی یا مشک جیسی خوشبو دیتی رہی۔ حضرتؒ نے قرآن پاک کی خدمت میں عمر گذاری تو کیا استبعاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اظہار کرامت کے لیے ایسا کر دیا ہو۔

من عمل صالحًا من ذکر او انثٰی وھو مؤمن فلنحیینہٗ حیٰوۃً طیبۃً ولنجزینھم اجرھم باحسن ما کانوا یعملون۔

میں اسی پر اپنا مضمون ختم کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ حق تعالیٰ اس عاجز کو بھی ان اکابر کے ساتھ حشر نصیب فرمائے۔

توفنی مسلمًا والحقنی بالصّٰلحین۔ آمین۔

مشائخ کا ادب

جناب جمیل احمد صاحب خلیفہ مجاز حضرت شیخ المشائخ رائے پوری

حضرت اقدس مولانا رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کے جملہ متعلقین میں یہ بات بہت ہی مشہور تھی کہ مشائخ کا ادب جس کو سیکھنا ہو تو وہ حضرت مولانا احمد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے سیکھ لے ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ جمعیت العلماء اسلام کی لاہور میں کانفرس ہو رہی تھی جس کے دوران میں اس کی روئیداد سے متعلق پمفلٹ تقسیم کئے گئے تھے۔ میں نے بھی خاصی تعداد اپنے ساتھ لی تاکہ حضرت اقدس رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں جاکر پڑھے لکھے احباب میں تقسیم کردوں میں وہاں پہنچا ہی تھا کہ حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ بھی پہنچ گئے دل ہی میں خیال آیا کہ تقسیم سے پہلے حضرت لاہوریؒ سے مشورہ ہی کرلوں۔ چنانچہ میں نے اپنا ارادہ ظاہر کیا حضرت نے فرمایا نہ بھائی حضرت مولانا کے سامنے نہ تقسیم کرنا۔ آگے پیچھے تقسیم کردینا۔ یہ کہہ کر گھبراتے ہوئے اپنے جوتوں کو اتارا اور جلدی سے عصا کو رکھتے ہوئے حضرت کی خدمت میں اس طرح حاضر ہوئے جس طرح ایک شاگرد اپنے استاد کے سامنے اور مرید اپنے پیر کے سامنے حاضر ہوتا ہے۔ سلام کیا اور گردن جھکا کر بیٹھ گئے۔ حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے کشف عالیہ کے ذریعے سے معلوم کرتے ہوئے فرمایا، اجی حضرت مولانا کوئی آپ کی سنے گا بھی؟ یہ اشارہ تھا۔ علماء کانفرنس کی طرف جو احیاء دین کی خاطر جا رہی تھی۔ اور اشارہ تھا ارباب حکومت کی طرف۔

تقویٰ معاملات

ایک دفعہ میں حضرت اقدس رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے صوفی عبدالحمید کی کوٹھی واقعہ جیل روڈ جا رہا تھا کہ راستہ میں پیچھے سے حضرت لاہوریؒ کا تانگہ بھی آگیا۔ سوچا ایسی تو کوئی بات نہیں ہے کہ حضرت مجھے نہ بٹھائیں گے کیونکہ حضرت کی شفقت و عنایت کا تقاضا بھی یہی تھا لیکن حضرت نے مجھے دیکھا بھی اور صرف سلام کرتے ہوئے گذر گئے۔ مجھے رنج تو ہوا لیکن الحمدللہ کسی قسم کا دل میں اعتراض پیدا نہ ہوا۔ خیال آیا کہ ضرور اس میں کوئی مصلحت ہے۔ ابھی حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا تانگہ صوفی صاحب کی کوٹھی تک پہنچا نہ تھا کہ میں ایک تنگ گلی سے نکل کر کوٹھی پہ پہنچ گیا اور انتظار کرنے لگا۔ اتنے میں حضرت کا تانگہ بھی آگیا۔ حضرت نے اترتے ہی سلام میں پہل کرتے ہوئے فرمایا۔ آپ بڑی جلدی آگئے اور فوراً یہ فرمایا کہ تانگہ میں اسلئے نہیں بیٹھایا تھا کہ جس وقت تانگہ کیا تھا اس وقت میں اکیلا تھا دوسری سواری کے متعلق ذکر نہیں ہوا تھا۔ اگرچہ سالم تانگہ کرنے پہ سواری کو حق ہے کہ اپنے کسی دوسرے ساتھی کو بٹھالے مگر ان حضرات کی اپنی احتیاط کب گوارا کر سکتی ہے اب ہم بھی اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھیں کہ لین دین کے معاملے میں کتنی بے احتیاطی برتتے ہیں۔

منٹگمری کے سفر میں ہم نے اپنی گرہ سے اخبار لے کر حضرت کو دیا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ہمیں پہلے پیسے دیئے اور پھر اخبار لیا۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا

وہ واقعہ یاد آتا ہے جس وقت سواری کے لیے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالےٰ لے اونٹنی حاضر خدمت کی تو حضور نے ارشاد فرمایا کہ پہلے اس کی قیمت طے کرلو

امتیاز خصوصی کا ناپسند فرمانا

منٹگمری میں چوک عیدگاہ میں ایک جلسہ ہو رہا تھا جس میں حضرت کو مدعو کیا گیا تھا حضرت نے عشاء کی نماز مسجد نور حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب مدظلہٗ کے ہاں ادا کی۔ جب جلسہ میں شرکت کے لیے تانگہ میں سوار ہوئے تو ادھر مولانا عبدالعزیز صاحب نہایت عمدہ مصلّی لیے اس غرض سے تشریف لائے کہ جلسہ گاہ میں کرسی پر حضرت کے لیے بچھاؤں گا۔ حضرت اپنی فراست ایمانی سے اس بات کو جان گئے اور فرمانے لگے اس کی کیا ضرورت ہے مولانا نے ہنستے ہوئے فرمایا۔ اس لیے میں لے جا رہا ہوں کہ شاید مسجد میں سے کوئی اسے اٹھا لے جائے ساتھ رہے گا تو حفاظت رہے گی۔ مگر حضرت نے اس کو وہیں رکھوا دیا۔

سوال سے اجتناب

ایک سفر میں چارپائی کے بان میں سے حضرت کی انگلی میں پھانس چبھ گئی جس کا حضرت کو بھی احساس ہو رہا تھا میں نے عرض کیا، حکم ہو تو میزبان کے ہاں سے سوئی لے آؤں حضرت نے فرمایا (گھر پہنچ کر نکالیں گے) مطلب یہ تھا کہ سوئی کا طلب کرنا بھی سوال ہے جب گھر پہنچیں گے تو نکال لیں گے۔

احباب کا خیال

جب کہیں حضرت سفر پر جاتے تو واپسی کے متعلق فرما جاتے تھے کہ فلاں گاڑی سے آؤں گا۔ ہم لوگ حضرت کو لینے کے لیے پہنچتے تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ ڈبے کے دروازے پر اس لیے کھڑے ہو جاتے کہ احباب کو ان کے تلاش کرنے میں پریشانی نہ ہو۔ جب کبھی ہم انکو سوار کرانے کیلئے سٹیشن پر جاتے تو پلیٹ فارم ٹکٹ اپنی گرہ ہی سے لے کر عطا فرماتے۔ جب تک گاڑی آنکھوں سے اوجھل نہ نہ ہوتی حضرت دروازے پر کھڑے رہتے تاکہ احباب کا شوق دید پورا ہوتا رہے جو ساتھی سفر میں ساتھ ہوتا واپسی پر اس کو اس کے محلے تک پہنچنے کے لیے تانگہ کا کرایہ بھی عطا فرماتے۔

چشم پوشی

ایک دفعہ حضرت نے ایک ساتھی سے فرمایا کہ لال پنسل لے آؤ۔ وہ بیچارہ لال رنگ کا چاقو لے آیا میں نے عرض کیا کہ حضرت آپ نے تو پنسل منگائی تھی حضرت مسکرائے اور خاموش ہو گئے تاکہ احباب کی مجلس میں اس دوست کو خفت اور شرمندگی نہ اٹھانی پڑے۔

کمال احتیاط

ایک مرتبہ ایک ساتھی سے فرمایا کہ کتاب وہاں رکھ دو۔ اس نے وہ کتاب

قرآن حکیم کے اوپر رکھ دی حضرت نے فرمایا نہیں نہیں ایسا کرو قرآن سب سے اوپر رکھو۔ اس کے نیچے وہ حدیث کی کتاب رکھو اور پھر یہ کتاب رکھو۔

علماء کا ادب

جو جماعت علماء کی دورہ تفسیر کے لیے حاضر ہوتی تھی رمضان میں ایک سال دیکھا گیا کہ حضرت اپنے ہاتھ سے افطاری تقسیم فرما رہے ہیں۔ حالانکہ خدام کے ذریعے سے بھی یہ کام کرایا جا سکتا تھا مگر مہمانان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب اور میزبانی حضرت اسی میں سمجھتے تھے کہ خود اپنے ہاتھ سے تقسیم کریں یہ عشق رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی مثال ہے۔

فکر آخرت اور صاف گوئی

کوہاٹ کے ایک خان صاحب فرمانے لگے کہ پہلے تو جلسے میں آپ ہمارے ہاں تشریف لایا کرتے تھے۔ اب کئی سال سے تشریف نہیں لائے حضرت فرمانے لگے میں کمزور ہوں بوڑھا ہو گیا ہوں وہ صاحب سمجھے کہ شاید حضرت ٹال رہے ہیں حضرت نے فوراً ہی فرمایا۔ بھائی مر کے دوبارہ توانا نہیں جو نیک اعمال کو آئندہ پر اٹھا رکھوں مطلب یہ تھا۔ نیکی کو نیکی سمجھتے ہوئے کرنے کو ہر وقت تیار ہوں۔ مرنے کے بعد پھر کہاں موقعہ ملے گا۔ مگر جب بس کی بات نہ ہو تو پھر کیا کروں۔

ایک مجذوب صفت بزرگ کا واقعہ

حضرت علماء اور عوام سے ان کے دین اور علم کو مدنظر رکھتے ہوئے گفتگو فرماتے تھے۔ یہ نہیں کہ عوام اور علماء کو ایک ہی درجہ میں رکھتے ہوں۔ ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ ایک بوڑھے آدمی تشریف لائے حضرت نے انکا بڑا احترام کیا۔ مجھ سے چارپائی بچھوائی اور چلتے وقت تانگہ کیلئے کرایہ بھی دیا مجھے حضرت کی اس تواضع اور اکرام پر بڑی حیرت ہوئی اور مجذوب سے فرمایا کہ یہ میرا دوست ہے (یعنی میرے متعلق) یہ ساتھ جائے گا حضرت کی مسجد میں ظہر کی نماز ہو رہی تھی اس مجذوب نے نہ نماز ادا کی اور نہ بعد میں کوئی نماز پڑھی اس کے علاوہ راستے میں مجھ سے کہنے لگے کہ پاک پتن سے آیا ہوں مجھے حکم ملا ہے کہ تو لاہور میں مولانا احمد علیؒ کی زیارت کو جا مجھے اس کے نماز نہ پڑھنے پر بہت غصہ تھا لیکن جب اسے پہنچا کر واپس آیا تو حضرت نے میری قلبی حالت کو بھانپتے ہوئے فرمایا وہ تو بہت اچھے آدمی تھے میں یہی سمجھا کہ وہ ولی تھے اور مجذوب کیونکہ حضرت نے تقریر کے دوران میں فرمایا کہ بعض مجذوب اللہ کے ولی ایسے ہوتے ہیں کہ ظالم ان کے منہ پر تھوکنا بھی پسند نہ کرو

سنت سلام

میں ہمیشہ اس کوشش میں رہتا تھا کہ سلام میں پہل کروں۔ مگر حضرت نے کبھی اس کا موقع نہ دیا — یہ آپ کی کمال اتباع سنت کی دلیل ہے۔ ایک مرتبہ علماء جماعت نے ختم قرآن پر لو بخارا تقسیم کیا آپ نے بھی دوسروں کے مطابق حصہ لیا۔

قطب زماں حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ

جامع شریعت و طریقت حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب خلیفہ ارشد سید العرب والعجم شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رح

حق تعالیٰ نے ہر دور میں بعض ایسی منتخب شخصیتیں پیدا فرمائی جن کو عام بندوں کے لیے واسطہ فیضان ہدایت بنایا گیا ہے۔ دور حاضر میں اکابر دیوبند کی چند جامع شخصیتیں یہی مقام رکھتی ہیں جن کی پاکستان میں آخری یادگار غالباً شیخ التفسیر قطب زماں حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری قدس سرہ تھے۔ بندہ ناکارہ کو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت مبارکہ سے استفادہ کرنے کا موقعہ تحریک ختم نبوت کے بعد ہی نصیب ہوا ہے۔ اس سے پہلے حضرت کو عام علمائے دیوبند میں ایک صالح عالم سمجھتا تھا۔ لیکن حضرت جامع روحانی شخصیت پیش نظر نہ تھی لیفضلہ تعالیٰ جب دو تین مرتبہ حضرت کی مجلس میں بیٹھنا نصیب ہوا۔ تو بلا اختیار قلب حضرت کی طرف منجذب ہونے لگا۔ اور آپ کی صحبت قلبی سکون کا باعث بنتی گئی۔ آپ کی ذات میں اِذَا رُءُوْا ذُکِرَ اللّٰہ کی خاصیت تھی۔ اور اب تو ایسا محسوس ہوتا تھا کہ حضرت کا وجود اس شعر کا واضح مصداق ہے۔ ~

اے لقائے تو جواب ہر سوال
مشکل از تو حل شود بے قیل و قال

حضرت کی ہر حاضری سے توجہ و قرب خداوندی میں زیادتی نصیب ہوتی تھی لاہور جانے کے تصور میں بھی قلبی راحت ہوتی تھی کہ زیارت نصیب ہو جائیگی

اور حضرت بھی بہت زیادہ بزرگانہ شفقت سے سرفراز فرمایا کرتے تھے۔ اس قربی وجدانی تعلق سے پہلے بھی حضرت کی خدمت میں حاضری کا یہ اثر دیکھا کہ ایک دفعہ لاہور کسی کام کے لیے گیا ہوا تھا نماز جمعہ حضرت کی مسجد میں پڑھنے کے لیے گیا تو راستہ میں قلب میں ایک ظلمت پیدا ہوگئی جب مسجد میں پہنچا تو حضرت تقریر فرما رہے تھے۔ تھوڑی دیر بیٹھنے سے گریہ طاری ہوگیا اور وہ ظلمت کافور ہوگئی۔ شیخ العرب والعجم حضرت مولانا حسین احمد مدنی قدس سرہٗ کے بعد بندہ کو بزرگان دیوبند میں سب سے زیادہ قلبی محبت و عقیدت حضرت لاہوری سے پیدا ہوگئی تھی۔ اور غالباً اسکی وجہ یہ ہے کہ لاہوری کو حضرت مدنیؒ سے ایک مخصوص قلبی تعلق تھا جس کا آپ اکثر اظہار بھی فرمایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ رفیق محترم مولانا عبداللطیف صاحب جہلمی اور راقم الحروف حضرت لاہوری کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے حضرت مدنی کا وہ مکتوب دکھلایا جو قیام پاکستان کے بعد دیوبند سے شرف صدور لایا تھا۔ غالباً حضرت نے یہ بھی فرمایا کہ مدنیؒ کے اس گرامی نامہ کو قیامت میں نجات کا ذریعہ سمجھتا ہوں (اوکما قال) ایک دفعہ فرمایا کہ حضرت مدنی کی خدمت میں بعض دفعہ جمعیت علمائے ہند کے اجلاس میں تین تین چار چار گھنٹے بیٹھنا پڑا ہے میں ہمیشہ دوزانو بیٹھتا تھا حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ میں ایک ممتاز کمال تھا کہ اصاغر پر انتہائی شفقت اور اکابر سے بہت زیادہ حسن عقیدت و ادب کا معاملہ فرماتے تھے قطب دوراں شیخ المشائخ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کا بھی بہت احترام و اکرام فرماتے تھے۔ اور معلوم ہوا ہے کہ حضرت رائے پوری کی علالت و نقاہت کے ایام میں جب حضرت تشریف لے جاتے تو یہ کوشش کرتے کہ حضرت

کو آنے کی اطلاع نہ ہو تاکہ آپ کے آرام میں خلل نہ پڑے سبحان اللہ کس قدر تواضع اور شانِ عبدیت کا غلبہ تھا۔ اور حقیقت میں فنائے نفس ہی وہ بڑا کمال ہے جو حضرات اہل اللہ کو دوسروں سے بلند کرتا ہے۔ مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰہِ رَفَعَہُ اللّٰہ دینی کتب میں اولیائے کاملین کے جو احوال و کمالات پڑھے ہیں۔ ان میں سے تقریباً ہر کمال کا ایک مخصوص حصہ حضرت لاہوری کو عطا فرمایا گیا تھا ؎

زفرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا اینجاست

علم و بصیرت، توکل و استقامت، تقویٰ و اتباع سنت، سادگی و بے نفسی، حق پرستی و حق گوئی، فنائیت و عبدیت وغیرہ متعدد کمالات کا جلوہ حضرت کی شخصیت میں پایا جاتا تھا۔ علمی مقام کے اعتبار سے گو حضرت اقدس کو شیخ التفسیر کے لقب سے عموماً یاد کیا جاتا ہے اور اس میں شک نہیں کہ حضرت کو قرآن حکیم سے ایک خصوصی عشقی تعلق تھا اور زندگی کے آخری لمحات تک قرآنی علوم و حِکَم کی تدریس و اشاعت فرماتے رہے اور شیخ التفسیر تو زمانہ میں اور علما بھی بہت ہیں لیکن قرآنی علم و حال میں رنگی ہوئی ایسی شخصیت دوسرے علمائے تفسیر میں کم نظر آتی ہے۔

اتباع سنت میں حضرت کا قدم بہت راسخ تھا۔ انتہائی ضعف و پیرانہ سالی میں بھی محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے سنن و آداب کی آپ نے سختی سے پیروی کی۔ شیخ الاسلام حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد باوجود تبلیغی و اجتماعی مشاغل کے اتباع سنت میں اتنا مجاہدہ حضرت لاہوری کے وجود میں

ہی ہمیں دیکھنا نصیب ہوا ہے۔ باوجود فالج جیسے خطرناک مرض کے حضرت نے پاکستانی دینی و ملی سیاست میں نمایاں حصہ لیا اور ہمیشہ جمعیۃ علمائے اسلام کی قیادت و رہنمائی فرماتے رہے پاکستان میں اسلامی نظامِ حق کے قیام کی طرف آپ کو بہت زیادہ توجہ رہی۔ اور برسر اقتدار طبقہ کو ہمیشہ داعیانِ حق اور مجاہدین کے لہجہ میں تنبیہ فرماتے رہے۔ ساری عمر نہ کسی سے کوئی طمع رکھا اور نہ کسی سے خائف ہوئے۔ بلاخوف لومۃ لائم اعلان حق فرمادیا کرتے تھے۔ توحید خداوندی کے جلوے آپ کے اعمال و احوال میں نمایاں نظر آتے تھے۔ پاکستان میں حضرت کا وجود دیوبندی مسلک حق کی اشاعت و حفاظت کیلئے ایک بہت قوی سہارا تھا۔ زندگی کے آخری چند سالوں میں حضرت لاہوری کی شخصیت امتیازی طور پر عوام و خواص کا مرجع بن گئی تھی۔ علمائے حق کی اکثریت آپ کو اپنا مقتدار و پیشوا مانتی تھی۔ محبوبیت و مقبولیت کا یہ ممتاز مقام غالباً پاکستان میں کسی اور بزرگ کو نصیب نہیں ہوا۔ ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔ حیات طیبہ کے آخری چند سالوں میں حضرت پر روحانیت کا بہت زیادہ غلبہ تھا۔ مکاشفات کی بھی کثرت تھی۔ اور بعض تکوینی و تشریعی حکمتوں کے تحت حضرت کی زبان سے اپنے مکشوفات کا اظہار بھی زیادہ ہونے لگا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہوتا تھا کہ کشفی حالات حضرت خود کہتے نہیں بلکہ کہلوائے جاتے ہیں کشف قلوب اور کشف قبور دونوں میں حضرت کو حق تعالیٰ نے ایک وافر حصہ عطا فرمایا تھا بعض کم فہم لوگ حضرت کے ان کشفی بیانات کو دعویٰ علم غیب پر محمول کرتے رہے حالانکہ ایسے بیانات اطلاع علی الغیب پر مبنی ہوتے ہیں علم الغیب سے انکو تعلق

نہیں علم الغیب یقیناً خاصا خداوندی ہے جس میں دیگر صفات الوہیت کی طرح کوئی بھی اس کا شریک نہیں ہے قُلْ لَّا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰهُ نص قرآنی ہے محققین اہل السنت اور اکابر دیوبند کا یہی عقیدہ ہے حضرت لاہوری معاذ اللہ اپنے آپ کو عالم الغیب نہیں سمجھتے تھے مِنْ جَانِبِ اللّٰہ جن امور و حقائق کا انکشاف ہو جاتا تھا ان کو ہی بیان فرماتے تھے یہ بھی ملحوظ رہے کہ حواس ظاہرہ یا باطنہ کے ذریعہ جن امور کا انکشاف ہوتا ہے اس کا تعلق عالم اسباب سے ہے البتہ مافوق الاسباب بلا کسی واسطہ اور ذریعہ کے جو علم حاصل ہو اس کو علم الغیب کہتے ہیں ۔ کشف اور علم الغیب کا فرق حضرت کے اس بیان کردہ واقعہ سے بآسانی سمجھ میں آسکتا ہے ۔ ایک دفعہ مولانا عبداللطیف صاحب جہلمی اور راقم الحروف حضرت موصوف کی خدمت میں حاضر ہوئے تو فرمایا کہ ایک دن میں نے سر پر تیل لگایا ۔ تو اس کے بعد قلب میں ایک قسم کا تکدر پیدا ہو گیا لیکن اس کی وجہ سمجھ میں نہ آتی تھی آخر یہ معلوم ہوا کہ یہ تیل جائز نہیں تھا اگر حضرت کو علم الغیب ہوتا تو اس تیل کی مالش ہی نہ کرتے ۔ لیکن پہلے سے آپ کو علم نہ تھا ۔ بعد میں من جانب اللہ اس کا انکشاف ہوا ۔ گو محققین صوفیہ کے نزدیک کشف و کرامت ولایت کی شرط نہیں اور نہ ہی یہ مخصوص کمال ہے ۔ الاستقامۃ فوق الکرامۃ مشہور مقولہ ہے ۔ لیکن متبع سنت بزرگوں کو کشف و کرامت سے اگر کوئی حصہ ملے تو یہ حق تعالیٰ کا انعام ہے ۔ یہ اس لیے عرض کر دیا ہے کہ عوام محض کشف و خوارق کو ہی ولایت و بزرگی کی دلیل سمجھتے ہیں ان کی نگاہ میں عقیدہ صحیحہ اور اتباع سنت کی کوئی قدر نہیں یہی وجہ ہے کہ عوام بسا اوقات

خلاف شرع درویشوں، ملنگوں بلکہ غیر مسلم ریاضت کشوں کو بھی اولیاء اللہ کے زمرہ میں شمار کر لیتے ہیں۔ حالانکہ ولایت خاصہ کے لیے ایمان و تقویٰ ضروری ہے۔ قرآن مجید میں اسی حقیقت کو اس آیت میں واضح کیا گیا ہے أَلَآ إِنَّ أَوْلِيَآءَ ٱللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۔ ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ وَكَانُوا۟ يَتَّقُونَ ۔ لیکن اس کے برعکس عوام کے ہاں اتباع سنت ولایت کے لیے ضروری نہیں۔ وہ شریعت و طریقت کو ایک دوسری کی ضد سمجھتے ہیں حالانکہ یہ عقیدہ کتاب و سنت کے خلاف ہے۔ اور محققین اولیاء اللہ نے ہمیشہ اس کی تردید فرمائی ہے۔ امام ربانی مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں۔

ا۔ وصول بایں نعمت عظمیٰ وابستہ باتباع سید اولین و آخرین است۔ علیہ وعلی آلہ من الصلوات افضلہا ومن التحیات اکملہا تا تمام خود را در شریعت گم نسازد و بامتثال اوامر وانتہا از نواہی متحلی نگردد بوئے ازیں دولت بمشام جان او نرسد (دفتر اول مکتوب ۸۶) اس نعمت عظمیٰ (یعنی ولایت) کو پانا سید الاولین والاخرین صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے ساتھ وابستہ ہے جب تک کہ اپنے آپ کو سارا شریعت میں گم نہ کر دے اور احکام شریعت کی پیروی اور ممنوعات شرعی سے اجتناب سے آراستہ نہ ہوئے اس دولت (ولایت) کی لو بھی اس کی روح کو نہیں پہنچ سکتی"۔

ب: سلامتی قلب از التفات بہ ماسوائے او تعالےٰ و اعمال صالحہ کہ ببدن تعلق دارند و شریعت بایشان آں امر فرمودہ سر دو درکار است۔

دعویٰ سلامت قلب بے اتیان اعمال صالحہ بدنیہ باطل است چنانکہ دریں نشا روح بے بدن غیر متصور است۔ احوال قلبی بے اعمال صالحہ بدنیہ محال است بسیارے از ملحداں ایں وقت ایں سم دعویٰ می نمایند۔ نجانا اللہ سبحانہ عن معتقد انہم السوء بصدقۃ حبیبہ علیہ الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ (دفتر اول مکتوب ۳۹) ماسوی اللہ کے تعلق سے قلب کی سلامتی اور جو اعمال صالحہ بدن سے تعلق رکھتے ہیں اور شریعت نے جن کے کرنے کا حکم فرمایا ہے یہ دونوں امر ضروری ہیں۔ بغیر بدنی اعمال صالحہ کے سلامتی قلب کا دعویٰ کرنا باطل ہے جیساکہ اس جہان میں روح بغیر بدن کے متصور نہیں ہو سکتی۔ بغیر بدنی اعمال صالحہ کے قلبی احوال محال ہیں۔ اس زمانہ کے اکثر ملحدین اس قسم کا دعوی کرتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ ہم کو ان کے برے اعتقادات سے بچائے بصدقہ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے"

اسی طرح دوسرے محققین اولیاء اللہ کے ارشادات بھی موجود ہیں دیوبندی اکابرین سے حکیم الامت امام طریقت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مواعظ و ملفوظات میں اس کی تفصیلات موجود ہیں۔ محبوب سبحانی قطب ربانی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ کا ارشاد فتوح الغیب میں موجود ہے۔ "کل حقیقۃ ردتہا الشریعۃ فہی زندقۃ"۔ (جس حقیقت کو شریعت رد کر دے وہ بے دینی ہے)

اولیاء اللہ کی فضیلت کشف و کرامت پر موقوف نہیں ہے اور بغیر کرامت کو بھی کرامت پر فضیلت حاصل ہے۔ چنانچہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں، ہمچنانکہ در حصول نفس ولایت ولی را علم بولایت خود شرط نیست چنانچہ مشہور است علم بوجود خوارق خود ہم شرط نیست بلکہ بسا است کہ مردم از وے خوارق نقل کنند و اورا ازاں خوارق اصلاً اطلاع نہ (مکتوب ج ۱ م۲۱۸) جس طرح کہ نفس ولایت کے حصول میں ولی کے لیے اپنی ولایت کا علم شرط نہیں ہے جیسا کہ مشہور ہے۔ اسی طرح خوارق (کرامات) کا علم ہونا بھی اس کے لیے شرط نہیں ہے۔ بلکہ بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ لوگ اس سے کرامات نقل کرتے ہیں اور خود اس کو ان کرامات کی بالکل اطلاع نہیں ہوتی "

ج :۔ فرماتے ہیں۔ کثرت ظہور خوارق بر افضلیت ولایت ندارد و تواند بود کہ یکے بود کہ ہیچ خارقے از وے بظہور نیاید افضل باشد ازاں کس کہ خوارق و کرامت از وے بظہور می آید (مکتوب مذکور) "خوارق و کرامات کا زیادہ ظاہر ہونا افضلیت کی دلیل نہیں ہے اور ہو سکتا ہے کہ ایک ولی سے کوئی بھی خوارق (کرامت) ظاہر نہ ہو اور وہ اس سے افضل ہو جس سے خوارق و کرامات ظاہر ہوں"

ن :۔ ای برادر بشنو خوارق عادات بر دو نوع است۔ نوع اوّل علوم و معارف الہی است جل سلطانہ کہ بذات و صفات و افعال واجبے جل و علا تعلق دارد و ورائے طور عقل است بخلاف متعارف معتاد است کہ بندہ ہای خاص خود را بآں ممتاز ساختہ است و نوع ثانی کشف صور مخلوقات و اخبار مغیبات کہ بعالم تعلق دارد۔ و نوع اوّل مخصوص باہل حق و ارباب معرفت است و نوع ثانی شامل محق و مبطل است زیرا کہ اہل استدراج را نیز نوع ثانی حاصل است

نوع اوّل نزد خدا جلّ و علا شرافت و اعتبار دارد کہ بادلیائے خود مخصوص ساختہ است و اعدار را در آں شرکت نداده و نوع ثانی نزد عوام خلائق معتبر است و در انظار ایشاں معزز و محترم ایں معنی اگرچہ از اہل استدراج بظہور آید۔ نزدیک است کہ از نادانی اورا پرستش نمایند و بہر رطب و یابس کہ او ایشاں را تکلف نماید مطیع و منقاد او گردند۔ بلکہ محجوباں نوع اول را از خوارق نزد ایشاں منحصر در نوع ثانی است و کرامات بزعم ایں محجوباں مخصوص بکشف صور مخلوقات است و اخبار مغیبات ایشاں (دفتر اول مکتوب ۲۹۳) (ترجمہ) اے برادر سنو۔ خوارق عادات دو قسم کے ہیں قسم اول وہ الٰہی علوم و معارف ہیں جن کا تعلق حق تعالےٰ کی ذات و صفات و افعال سے ہے اور یہ علوم عقل سے بالاتر ہیں اور متعارف عام علوم عادیہ کے سوا ہیں کہ ان سے اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص بندوں کو ممتاز فرمایا ہے اور قسم ثانی مخلوقات کی صورتوں کا کشف اور غیبی علوم کی اطلاع ہے جن کا تعلق عالم سے ہے اور قسم اوّل اہل حق اور ارباب معرفت کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور قسم ثانی خوارق کی اہل حق اور اہل باطل دونوں کو شامل ہے۔ اس لیے کہ اہل استدراج کو بھی یہ قسم ثانی حاصل ہے قسم اوّل اللہ کے نزدیک شرف و اعتبار رکھتی ہے جس کو اپنے دوستوں کیلئے مخصوص فرمایا ہے اور اپنے دشمنوں کو اس میں شریک نہیں کیا اور قسم ثانی عام لوگوں کے نزدیک معتبر ہے اور ان کی نظروں میں معزز و قابل احترام۔ یہ دوسری قسم خوارق کی خواہ اہل استدراج سے بھی ظاہر ہو۔ قریب ہے کہ یہ لوگ نادانی سے ان کی پوجا کرنے لگیں۔ اور ہر رطب و یابس میں ان کی پیروی کریں بلکہ

جو لوگ محجوب ہیں (یعنی حق تعالیٰ کے قرب سے محروم ہے) قسم اول کو خوارق میں سے نہیں جانتے اور اس کو کرامات میں شمار نہیں کرتے۔ ان کے نزدیک خوارق صرف قسم ثانی میں منحصر ہیں۔ اور ان محجوبوں کے گمان میں کرامات مخلوقات کی صورتوں کے کشف اور غیبی امور کی خبروں کے ساتھ مخصوص ہے" حضرت مجدد صاحب کے ارشادات کا خلاصہ یہ ہے کہ اولیاء اللہ کا اصلی کمال حق تعالیٰ کی معرفت اور محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت اور سنت کی پیروی ہے۔ جو لوگ اس شرعی و عرفانی دولت سے محروم ہیں ان میں اگر کوئی خارق عادت امر ظاہر ہو تو وہ استدراج ہوگا نہ کہ کرامت۔

کشف کونی اہل حق کے علاوہ اہل باطل کو بھی حاصل ہو جاتا ہے لیکن کشف الٰہی اور پیروی سنت محض اہل حق کے ساتھ مخصوص ہے۔ اہل باطل اس دولت لازوال سے محروم ہیں۔ امت محمدیہ میں ایسے اولیاء اللہ کی بھی کمی نہیں جن کو حق تعالیٰ نے کشف الٰہی اور کشف کونی دونوں نعمتوں سے حسب حکمت نوازا ہے اور بفضلہ تعالیٰ ہمارے حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ بھی ان ہی حضرات میں شمار ہوتے ہیں حق تعالیٰ نے حضرت موصوف کو حسی اور معنوی دونوں قسم کی کرامات سے شرف بخشا ہے۔ جو لوگ آپ کے دامن فیض سے وابستہ ہو گئے انہوں نے حسب استعداد و ہمت آپ کے فیوضات وبرکات سے حصہ لے لیا سینکڑوں انگریزی خواں ایسے ہیں جن پر مغربی و فرنگی تہذیب اثر انداز تھی۔ لیکن حضرت کی زیارت و صحبت کے اثرات سے انہوں نے مسنون شرعی ڈاڑھیاں رکھ لیں۔ اور مدنی آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی ادائیں ان کے لیے محبوب بن گئیں حضرت قادری

سلسلہ میں بیعت فرماتے تھے۔ آخری ایام حیات میں اس مقدس سلسلہ کا فیضان حضرت کے توسط سے کتنے قلوب کو منور کر گیا۔ متعدد علماء مجازین طریقت بنے۔ اگر اس دور میں حضرت کو قادری سلسلہ کا خاتم الاولیاء کہا جائے تو غیر مناسب نہ ہوگا۔

آخری زیارت

گذشتہ سال شعبان کے اواخر میں بندہ مدرسہ عربیہ کمالیہ کے جلسہ سے فراغت کے بعد حضرت کی زیارت کیلئے لاہور پہنچا۔ مسجد میں ٹھیک دوپہر حاضر ہوا تو معلوم ہوا کہ تھوڑی دیر پہلے حضرت کارخانہ میں تشریف لے گئے ہیں۔ میں نے حضرت کے صاحبزادہ مولانا عبیداللہ صاحب انور زید فیضہم کی خدمت میں زیارت کے لیے عرض کیا تو حضرت صاحبزادہ صاحب موصوف (جو اب بفضلہ تعالیٰ حضرت کے جانشین ہیں) اپنے اخلاق کریمانہ کی بنا پر خود بندہ کے ساتھ کارخانہ میں تشریف لے گئے اور وہاں چھوڑ کر واپس چلے آئے۔

بندہ حضرت قطب العالم کی زیارت سے مشرف ہوا۔ حضرت نہایت بشاشت کے ساتھ دیر تک بیٹھ کر اپنے ارشادات سے سرفراز فرماتے رہے۔ توکل کے سلسلہ میں فرمایا کہ میں نے اپنے تینوں بیٹوں کی تکمیل کر دی ہے اور سب کو تاکید کر دی ہے کہ دینی خدمت پر کوئی تنخواہ نہیں لیں گے۔ مولوی حبیب اللہ مدینہ منورہ میں بلا تنخواہ درس دیتا ہے اس کا ذکر بھی غالباً کشفاً فرمایا کیونکہ کچھ دن پہلے پڑیال ضلع راولپنڈی سے ہمارے محترم صوبیدار عبدالمجید صاحب ناظم اعلیٰ جمعیۃ علمائے اسلام نے بذریعہ خط اطلاع دی تھی کہ وہاں ایک مولوی صاحب نے

اکابر دیوبند کے خلاف بہت سخت تقریر کی ہے۔ اور یہ بھی کہا ہے کہ مولوی حبیب اللہ صاحب (حضرت لاہوری کے بڑے صاحبزادہ) مدینہ منورہ میں سعودی حکومت سے تنخواہ لیتے ہیں۔ صوبیدار صاحب نے فرمایا تھا کہ اس کی تحقیق کی جائے۔ میرا غالب خیال یہی تھا کہ حضرت صاحبزادہ صاحب موصوف تنخواہ نہیں لیتے ہونگے لیکن حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تصریح فرما دی۔

اخلاص کے سلسلہ میں فرمایا کہ لندن سے خطوط آئے ہیں کہ ہفت روزہ خدام الدین انگریزی میں شائع کرنے کی وہاں اجازت دی جائے۔

لیکن میں نے اجازت نہیں دی اور اس کی وجہ یہ ہے کہ نفع دینی تو اخلاص کی بنا پر ہوتا ہے اور وہاں خدام الدین کے لیے مخلصین کا عملہ نہیں مل سکتا۔ سبحان اللہ کس قدر اخلاص کی گہرائی پر نظر ہے ـــــ مدینہ منورہ کے سلسلہ میں فرمایا کہ الحمدللہ گیارہ بار حرمین شریفین کی زیارت نصیب ہوئی ہے وہاں پر تمام دنیا کے اولیاء اللہ جمع ہوتے ہیں میں ہر جگہ اہل اللہ کی مجلس میں حاضر ہوتا تھا لیکن میں نے اتنی مدت میں حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ جیسا کوئی جامع بزرگ نہیں دیکھا۔ حضرت شیخ الاسلام مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق تو یہ بات حضرت اکثر فرمایا کرتے تھے۔ آخر دعا کرا کے بندہ رخصت ہوا۔ اور کیا معلوم تھا کہ یہ زیارت آخری زیارت ہے بعد ازاں حضرت قطب العالم اپنے لاکھوں عقیدت مندوں کو داغ مفارقت دے کر رمضان المبارک میں محبوب حقیقی سے واصل ہو گئے بعد از وفات منعم حقیقی نے اپنے اس برگزیدہ بندے کی مرقد مبارک کی خاک میں ایک خاص خوشبو پیدا فرما دی اور یہ حضرت کی ایک ممتاز حسی کرامت ہے۔

امام الاولیاء کا مقام

قاضی محمد زاہد الحسینی خلیفہ مجاز قطب الاقطاب حضرت مولانا احمد علی رحمۃ اللہ علیہ

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰی وَذَکَرَ اسْمَ رَبِّہٖ فَصَلّٰی (الاعلیٰ)

ہ کمال عبدیت،، انبیاء کرام نے مقام عبدیت ہی کو سب سے بڑا مقام اور اعجازی وصف سمجھا قرآن حکیم نے حضرت نوح علیہ السلام کو عَبْدًا شَکُوْرًا حضرت موسیٰ علیہ السلام اِنْ ھُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَیْہِ حضرت ایوب علیہ السلام نِعْمَ الْعَبْدُ اِنَّہٗ اَوَّابٌ ، کے محبوب ترین الفاظ سے تعبیر فرمایا۔ خود سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو عَبْدِنَا کے خطاب سے سرفراز فرمایا معراج جیسی جسمانی بلندی اور ربانی عروج پر اسریٰ بعبدہٖ کا ذکر فرمایا بلکہ اس مقام لامکان پر جہاں نوری بھی نہ جا سکیں اس وجود مقدس کو اپنے رب جلیل نے جن الفاظ کے ساتھ ذکر فرمایا، وہ اوحیٰ الیٰ عبدہٖ ہی کا طغریٰ امتیاز ہے الحمد للہ ہمارے اسلاف اس مقام پر بھی جادۂ سنت سے نہ ہٹنے پائے بانی دار العلوم دیوبند نے اپنے آپ کو ہیچمدان محمد قاسم، استاذوں کے استاذ نے جو دنیا کی نظر میں شیخ الہند ٹھہرے اپنے آپ کو بندہ محمود ہی لکھنے میں فخر سمجھا۔ دورہ حاضرہ میں روحانیت کے تاجدار حاجی امداد اللہ قدس سرہ العزیز نے ہمیشہ اپنے آپ کو فقیر امداد اللہ ہی لکھا قطب الارشاد رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ قدس سرہ نے اپنے آپ کو بندہ رشید ہی تحریر فرمایا۔ شیخ العرب والعجم مولانا مدنی قدس سرہ کا ننگ اسلاف حسین احمد

لکھنا تو معروف بین الانام ہے، حضرت امام اولیاء لاہوری قدس سرہ العزیز فنا فی اللہ کے اس مقام پر تھے کہ مدح و ذم دونوں سے بے تعلق تھے حضرت کے خطوط آج بھی موجود ہیں، ہمیشہ از احقر الانام احمد علی سے گرامی نامہ شروع فرمایا کرتے تھے اس طرز تحریر میں بھی اتباع سنت کا پہلو جاگر تھا سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نور ناموں کو اپنے اسم پاک سے شروع کرتے ہوئے۔

من محمد عبد اللہ ورسولہ کے پاکیزہ جملہ سے شروع فرمایا حضرت رحمہ اللہ کے ان روحانی، علمی، دینی کمالات کے باوجود اپنے آپ کو احقر الانام لکھا یہ طریق کار بادی النظر میں خواہ معمولی ہی ہے، مگر اس بلند نظریہ حیات کا ترجمان ہے جس کی بنیاد سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی۔

"اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ فِیْ عَیْنِیْ صَغِیْرًا وَفِیْ اَعْیُنِ النَّاسِ کَبِیْرًا" پر استوار کی گئی ہے۔

(۹) "امتزاج شریعت و طریقت"

دور اول میں شریعت طریقت، معرفت سلوک، تفقہ وغیرہا متعدد اور متفرق عنوانات کا مصداق ایک ہی سمجھا جاتا تھا اور یہی حسین امتزاج اسلام کا جوہر ہے صرف علم بے کار، اور صرف تصوف بے سود بلکہ بالفاظ شاہ ولی اللہؒ جن صوفیہ نے کتاب و سنت کو ترک کر دیا ہے وہ ہم میں سے نہیں اور جو علماء تصوف کا انکار کرتے ہیں وہ چور اور رہزن ہیں۔ ان سے بچنا چاہیئے۔

الحمد للہ ہمارے اکابر اس معیار پر بھی پورے اترے ہیں تمام اکابر علماء برصغیر میں یہ صفت بدرجہ اتم موجود ہے امام الاولیاء قدس سرہٗ العزیز اس مقام پر بھی

دوسرے ارباب طریقت سے ممتاز واقع ہوئے ہیں۔ سالہا سال سے علمائے کرام کی جماعت کو درس تفسیر خصوصی دینا معارف اسلام پر مشتمل حجۃ اللہ البالغہ کا درس دینا اسی مرد حق آگاہ کا کام ہو سکتا ہے جو علوم عقلیہ و نقلیہ میں دور رس نگاہ رکھتا ہو۔ وسائل اصلاح نفس، ریاضت و تزکیہ کے طریق کار کو اسی نہج پر سمجھنا جو شریعت مطہرہ کے مطابق ہو۔ یہ آپ کی تعلیمات کا خصوصی شعار ہے یہی وجہ ہے کہ آپ کے ہاں جن سعادت مندوں کو حاضری کا شرف حاصل تھا۔ ان کے صورت سیرت، شریعت کے مطابق ہوگئی اور ان کے قلوب ذکر الٰہی سے منور ہو گئے آپ اکثر فرمایا کرتے تھے ؎

خلاف پیمبر کسے راہ گزید
کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

رَحْمَةُ اللهِ رَحْمَةً وَّاسِعَةً وَّاَفَاضَ عَلَيْنَا بَرَكَاتِهِمْ — آمین

دامانِ نگہ تنگ و گل حسن تو بسیار
گل چین تو ز تنگئ داماں گلہ دارد

قدوۃ العارفین امام الاولیاء حضرت مولانا احمد علی لاہوری قدس سرہ

خطیب الاسلام مجاہد ملت حضرت مولانا غلام غوث مدظلہ العالی ناظم اعلیٰ جمعیۃ العلمائے اسلام و ممبر صوبائی اسمبلی مغربی پاکستان

قرب قیامت کی ایک نشانی یہ ہے کہ قرآن اٹھا لیا جائے گا۔ قرآن اٹھانے کا معنی یہ ہے کہ علماء اور حاملین قرآن نہ رہیں گے۔ اب جتنے بڑے بڑے عالم ربانی

اور مفسر قرآن ہیں وہ آہستہ آہستہ اٹھتے چلے جا رہے ہیں۔ ماضی قریب میں پاکستان جن اولوالعزم ہستیوں سے محروم ہوا ہے ان میں سر فہرست حضرت مولانا احمد علی صاحب قدس سرہ ہیں جنہوں نے دین کی وہ خدمت کی جس کے چشمے قیامت تک جاری رہیں گے۔ آپؒ نے مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کے صراط مستقیم کی رہنمائی فرمائی انکے ظاہر کو اتباع سنت کے زیور سے آراستہ اور باطن کو ذکر الٰہی کے نور سے منور فرمایا۔ آپؒ کے چالیس کے قریب عام فہم زبان میں لکھے ہوئے رسالے اور تفسیر قرآن جن سے لاکھوں بندگانِ خدا نے فیض پایا آپؒ کے ماحی بدعت محی السنت اور خادم القرآن ہونے کی یادگاریں ہیں۔ آپؒ کے انوارِ علوم و معارف میں ظلمات بدعت کو راہ نہیں ملتی تھی۔ آپؒ کے سلوک و طریقت کا آب حیات محدثات کے تکدر سے پاک صاف تھا ؎

بہار عالم حسنش دل و جاں تازہ مے دارد
برنگ اصحاب صورت را بھو ارباب معنی را

آپ کے لسانی و جسمانی جہاد میں نہ لومتِ لائم سے سر مو فرق آیا نہ خوف ظالم سے ساری عمر حتیٰ کہ وفات شریف کے دن تک درس قرآن معمول رہا مگر جب بھی حق و باطل کا معرکہ شروع ہوا آپ کو میدان یا زندان فرنگ میں دیکھا گیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو غذائی احتیاط اور دنیا سے بے رغبتی کے صلہ میں کشف صحیح کا وہ مقام عطا فرمایا کہ نشاید و باید

میں آپ کے اوصاف جمیلہ کے بیان کی یارائی نہیں رکھتا مگر آپ کے وصال سے اہل اسلام ناصح مہربان سے اور تشنگان علوم باطن مربی کامل سے

محروم ہو گئے ۔ والی اللہ المشتکی
آخری خدمت امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو اللہ تعالیٰ نے آپ سے لی وہ دیال سنگھ کالج میں پرونیزیت کے سر پر گرزر کی ضرب اور عام اعلانات و رسائل کے ذریعہ مودودیت کے الحاد کی پردہ دری تھی۔ آج یہ دونوں فتنے ملک ملک میں موجود ہیں ۔ مگر حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رح اور قطب عالم مولانا احمد علی صاحب لاہوری کی فراست ایمانی کی ضربوں سے نڈھال ہیں۔ اللہ تعالیٰ حضرت شیخ کی برکت اور وسیلے سے ہم پر بھی رحم فرمائے اور باطل فرقوں کے شر سے اسلام کو بچانے کی توفیق عطا فرمائے ۔

حضرت شیخ التفسیر کا منہاج درس وتفسیر

(مفکر اسلام علامہ خالد محمود ایم اے ۔ فاضل دیوبند)

درس قرآن کا تجزیہ حضرت رح سے گہرے تعلق کا غماز ہے اور دراصل یہ یہ علامہ موصوف کا ہی حصہ ہے ـــــ (نظر)

مجتہد لوگ مر نہیں سکتے ـــــ وہ فقط راستہ بدلتے ہیں
انکے نقش قدم سے صدیوں تک ـــــ منزلوں کے چراغ جلتے ہیں

اس نازک دور میں جبکہ الحادی نظریات اور مادی خدردں کا سیلاب ہر مضبوط بند کے نیچے بھی اپنی راہیں نکال رہا ہے ایسی ہستیاں تعداداً بہت کم ملیں گی جنہوں نے قرآن عزیز کو شاہراہ اسلام یعنی سنت اور سلف صالحین سے حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ ہر طبقے کے مسلمانوں کو کتاب اللہ سے وابستہ

کرنے کی کوشش ہو اور اس آسمانی ہدایت نامہ کے درس و تفسیر کے لیے ایک ایسا منہاج قائم کیا ہو جس سے زیادہ سے زیادہ مسلمان اپنی زندگیوں کی تاریکیوں میں شمع فروزاں حاصل کر سکیں

اس پر فتن زمانے میں اور خاص طور پر لاہور کی علمی گمراہی کے ہیں جو "اَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰی عِلْمٍ" کا ایک عجیب مصداق بن چکا ہے شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی صاحب قدس سرہٗ العزیز کا انداز درس و تفسیر خالص عربی اسلام کا ترجمان تھا جس میں تکلف اور تصنع کا نام تک نہ تھا۔ مرادات قرآنی نہایت سادہ، عام فہم اور قابل عمل انداز میں سامنے آتیں کہ سننے والوں کا جذبۂ عمل بیدار ہوتا اور معرفت دل میں اترتا اور حضرت مرحوم قرآن کو اس قطعیت کے ساتھ پیش کرتے کہ قرآنی جلال کے سامنے کسی احتمال کی کسی لچک کو کوئی راہ نہ ملتی۔ راقم الحروف پر ایک ایسا دور بھی گذرا جب میرے ذہن پر معقولات اور ادبیات کا پورا تسلط تھا۔ اور میرے نزدیک علم کی گہرائی بس اسی بال کی کھال اتارنے کا نام تھا۔ لیکن ذہن بڑی شدت سے ایک تشنگی محسوس کرتا جو جو محسوس تو ہوتی۔ مگر اُسے الفاظ کا لباس پہنا کر دوسروں کے سامنے پیش کر سکنے پر قدرت نہ تھی۔ ان دنوں بعض دوسرے علماء کی معیت میں بعض اوقات حضرت مرحوم کی مجلس درس میں حاضری ہوتی۔ میرے وہ احباب تو حضرت کے پاس سادہ اور بے تکلف بیان قرآن کو محض ایک سطحیت قرار دیتے لیکن میں جس کا ذہن معقولات اور جدلیات کے فرسودہ مباحث سے کافی تھک چکا ہوا تھا، اپنی اس مذکورہ تشنگی کے لیے اسے ایک نسخہ

شفا محسوس کرنے لگا۔ میں نے اپنے ان علماء سے کہا۔ کہ اس سادہ اور بے تکلف انداز بیان میں قرآن پاک کے کسی ایک رکوع کو بیان کیجئے۔ جب ان حضرات نے اس کی کوشش کی تو پھر انہیں اقرار کرنا پڑا کہ بے شک عربی اسلام کی ترجمانی کا حق ان سے ادا نہیں ہو رہا، اور عجمی حاشیہ آرائی کے کانٹے اس فطری جادۂ ہدایت پر دور تک پھیلے نظر آتے ہیں۔ میں نے بارہا محسوس کیا کہ جب بھی کسی آیت قرآنی کے بیان کرنے کی ضرورت درپیش ہوئی تو عجمیت کسی نہ کسی دریچے سے ضرور جھانکنے لگی اس اس پر ان علماء اور احباب سب کو اقرار کرنا پڑا کہ حضرت شیخ التفسیرؒ کا یہ انداز تدریس علمی موشگافیوں لاطائل تکلفات اور بیان احتمالات سے بہت آگے کی ایک منزل تھی یہ درس قرآن کا ایک ایسا درجہ ہے جو محض رب العزت کی عطا الٰہی اور ایک ایسا انداز تفسیر ہے جس کے ذریعے اہل اسلام کا ہر طبقہ قرآن پاک سے وابستہ ہو سکتا ہے

ان معروضات کی تصدیق ان علمائے کرام سے بھی ہو سکتی ہے جو حضرت مرحوم کے کبھی حلقۂ تفسیر میں شامل ہوئے ان مستفیضین میں سے بعض احباب کا بیان ہے کہ حضرت شیخ التفسیر کو ہر فن کی کتابیں ازبر تھیں اور سلم العلوم، کافیہ، حسامی وغیرہ فنون کی کتابیں تو من وعن حفظ تھیں علوم و فنون پر اس گہری نظر کے باوجود قرآن کو ذہن میں اس طرح اتارتے جیسے کہ شیر مادر اپنے فطری تقاضے سے اپنے مرکز کی طرف آرہا ہے اس سادگی کو سطحیت قرار دینا خود ایک بہت بڑی سطحیت تھی اور جن احباب نے حضرت مرحومؒ کے ایک دوسرے سلسلہ تفسیر، جو مکمل نہ ہو سکا اور جس کا نمونہ تیسویں پارے کی بعض سورتوں کی علیحدہ علیحدہ تفاسیر کی صورت میں بارہا طبع ہو چکا ہے، کے چند صفحات بھی مطالعہ کئے ہیں وہ وادی

حیرت میں گم ہو جاتے ہیں کہ اس گہری نکہ اور اس قدر تفصیل سے قرآنی مطالب کو پھیلانے والے بزرگ اپنے پہلے سلسلۂ تفسیر میں اس غیر معمولی اختصار سادگی بے تکلفی اور پھر ان سب امور کے باوجود ایک باقاعدہ نظم اور ایک باقاعدہ ربط پر کیسے قادر ہیں، ربط آیات کے سلسلہ میں حضرت کے مختصر اور نہایت جامع حواشی ہمارے اس بیان کے ناقابل تردید گواہ ہیں۔ حضرت مرحوم سے قرآن سن کر ذہن وفکر پر نہ کوئی بوجھ ...... محسوس ہوتا تھا اور نہ ذکر وعمل کے باب میں کوئی مشکل یا طبعی رکاوٹ ہوتی حضرت بیان فرماتے اور یوں محسوس ہوتا گویا انسانی نسل کی عملی ہدایات کے لیے وحی بھی اتر رہی ہے۔ اور یہ محض اسی وجہ سے تھا کہ حضرت کا موضوع ہمیشہ عربی اسلام تھا عجمی اسلام نہ تھا جس کی موشگافیوں اور تاویلات نے عملی دنیا میں انقلاب پیدا کرنے کی بجائے محض ذہنی عیاشی اور علمی ورزش کے چند ابواب مہیا کر رکھے ہیں (واللہ اعلم بالصواب و علمہ اتم واحکم فی کل باب

بیاد گار شیخ التفسیر مولانا احمد علی قدس سرہ العزیز

شیخ عالم، قطب ملت، حق تعالیٰ کے ولی

وارث علم نبوت سیدی احمد علیؒ

عالمان دین قیم کے امیر کارواں!

رحمت عالمؐ سے رکھتے تھے بڑی نسبت قوی

حضرت انور ہوئے ہیں بعد ان کے جانشیں

وارث علم و فیوض حضرت احمد علی!

عصر حاضر میں وہ اک اسلاف کی تصویر ہے　　اہل حق کیواسطے وہ مطلع تنویر ہے

محمد احمد ...... لاہور

حضرت شیخ التفسیر کا نسب نامہ حریت اور شجرۂ علمی

امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ

از جناب ڈاکٹر مناظر حسین صاحب

شاہ عبدالعزیزؒ — شاہ عبدالقادرؒ — شاہ رفیع الدینؒ — شاہ عبدالغنی

شاہ اسمٰعیل شہید (فرزند)

شاہ اسمٰعیل شہید حضرت سید احمد بریلویؒ کے مرید تھے

شیخ الآفاق شاہ محمد اسحٰقؒ (نواسہ) — شاہ محمد یعقوبؒ (نواسہ) — سید احمد بریلویؒ کے شاگرد

شاہ عبدالغنی محدث دہلویؒ

حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ — امام ربانی مولانا رشید احمد گنگوہیؒ

۱۸۵۷ء جنگ آزادی

سید احمد شہید اور شاہ اسمٰعیل شہید انگریزوں اور سکھوں کے خلاف تحریک شروع کی تو ان کی قیادت میں علمائے حق اور مجاہدین اسلام کا ایک قافلہ شہادت نوش کر کے سرخرو ہو گیا کالے پانی کی سزا پانے والے علماء جو چھوٹی چھوٹی کوٹھڑیوں میں قید کئے گئے ہزاروں شہدا پانچ مقدمے سازش انبالہ ۱۸۶۴ء، ۱۸۶۵ء راج محل مالدہ، پٹنہ ۱۸۷۰ء کام آنے والے جانباز قید و بند کی صعوبتیں اٹھانے والے دہلی شاملی تھانہ بھون و دیگر قیادت آزادی کی تحریک اس سلسلہ کی سنہری کڑیاں ہیں۔

قطب ربانی شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسنؒ

امام انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ

جنگ آزادی اور تحریک ریشمی رومال کے دو اہم ترین مراکز

شیخ المشائخ سلطان العارفین	قطب الاقطاب
خلیفہ غلام محمد دین پوری	ابوالحسن شاہ سید تاج محمود امروٹی

ھر دو بزرگان امت ... اور اقطاب وقت کی خانقاہیں امروٹ شریف اور دین پور شریف جنگ آزادی ... کی تقریباً تمام تحریکوں میں اہم ترین مراکز کا کام دیتی تھیں۔ ہر دو علمائے عظام تحریکوں ... کی کامیابی کیلئے دعا بھی کرتے تھے اور دامے درمے سخنے ہر طرح امداد بھی فرماتے تھے۔ ... حافظ الحدیث مولانا محمد عبداللہ درخواستی کے قول کے مطابق یہاں امروٹ شریف میں ... تیار ہوتے تھے اور یہیں اسلحہ دین پور شریف سے مہیا کیا جاتا تھا چنانچہ اسی طرح جہاں ان خانقاہوں میں قال اللہ و قال الرسول کی صدائیں بلند ہوتیں، حقیقت و معرفت کے رموز سکھلائے جاتے، منازل سلوک طے کرائے جاتے وہیں مجاہدین فی سبیل اللہ بھی تیار کئے جاتے تھے۔ ہر دو شیوخ متعدد مرتبہ جیل گئے اور قید و بند کی صعوبتوں سے دوچار رہے حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ میرے حضرت امروٹی اور حضرت دین پوری کی نظیر نہ ساری دنیا میں ان کی زندگی میں موجود تھی اور نہ اب موجود ہے اور یہ عویٰ وہ علی وجہ البصیرت کیا کرتے نہ کہ عقیدت کی بناء پر۔

قطب الاقطاب امام الاولیاء

حضرت مولانا احمد علی قدس سرہ

آخری دورۂ تفسیر کے علماء سے حضرت امام المفسرین الشیخ لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کا

آخری خطاب

۱۳۸۰ھ میں شیخ الاسلام حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ نے آخری دورہ تفسیر مکمل پڑھایا تھا۔ اس دفعہ امتحان کے بعد جب سندات تقسیم فرمانے لگے تو اس وقت حضرت الشیخ نے ایک مختصر سی تقریر فرمائی تھی جس میں نے حتی الوسع قلمبند کرنے کی کوشش کی ہے۔ افادۂ عام کیلئے ہدیہ قارئین کرام ہے۔ والسلام

خاکپائے حضرت الشیخ لاہوری رحمۃ اللہ علیہ

احمد عبدالرحمٰن صدیقی نوشہرہ چھاؤنی۔ شریک دورۂ تفسیر ۱۳۸۰ھ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ؕ

الحمد للہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی۔ امابعد

یایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک ط وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ ط واللہ یعصمک من الناس ط ان اللہ لا یھدی القوم الکفرین ٥

(ترجمہ) اے رسول! جو تجھ پر تیرے رب کی طرف سے اترا ہے، اسے پہنچا دے اور اگر تو نے ایسا نہ کیا تو اس کی پیغمبری کا حق ادا نہیں کیا اور اللہ تعالیٰ تجھے لوگوں سے بچائے گا بیشک اللہ تعالیٰ کافروں کی قوم کو ہدایت نہیں کرتا۔

اب سندیں دینے سے پہلے کچھ باتیں عرض کر دیتا ہوں۔ غور سے سنیں۔

ہر قوم کے پاس کوئی نہ کوئی قانون ہوتا ہے مگر اس وقت پوری دنیا میں

سوائے مسلمانوں کے اور کسی کے پاس الہامی کتاب موجود نہیں ہے۔ اور مسلمانوں کے پاس جو دستور العمل موجود ہے اس کا نام قرآن مجید ہے۔ قرآن مجید اصل ہے اور حدیث شریف اس کی شرح ہے۔ قرآن مجید کو سمجھنے کے لیے حدیث کی ضرورت ہے۔ قرآن مجید لاء ہے اور حدیث شریف بائی لاز ہیں۔ اسی لیے تو میں کہا کرتا ہوں کہ جو منکر حدیث ہے وہ منکر قرآن ہے جو منکر قرآن ہے وہ خارج از اسلام ہے یعنی بے ایمان ہے۔

قرآن مجید ایک ایسی کتاب ہے جس پر ساڑھے تیرہ سو برس گذر گئے کے باوجود اس کے عجائبات ختم نہیں ہوئے اور اس کے جوہر اتنے ہیں کہ ہر ایک کی رسائی نہیں ہو سکتی۔ ہر ایک کو بقدر ہمت حصہ ملتا ہے اور خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے جتنا خدا کسی کو چاہتا ہے قرآن مجید کا فہم دیتا ہے ذالك فضل الله يؤتيه من يشاء۔ یہ قرآن مجید پورا دینی و دنیوی دستور العمل ہے۔ اگر اس پر مسلمان صحیح معنوں میں عمل کریں تو دنیا میں کوئی قوم کسی حیثیت سے ان کا مقابلہ نہیں کر سکتی مگر افسوس کہ اب تو مسلمانوں کے دلوں سے اس کتاب عزیز کی وقعت ہی نکل گئی ہے اور احساس بھی نہیں ہے ؎

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

اور عام لوگوں کو تو رہنے دیجئے آج کل کے علماء جب مدارس سے فارغ ہوتے ہیں تو صرف، نحو، منطق، فلسفہ میں اپنی عمریں صرف کر دیتے ہیں مگر قرآن کے لیے بہت کم لوگوں کا خیال ہوتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ عوام اب اس مبارک

کتاب سے دور بھاگ رہے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ یہ کتاب پرانی کتاب ہے وفات ہیبا ہو دبس۔ حالانکہ یہ قرآن مجید تمام اقوام اور زبانوں کے لیے ہے آج کل چاہیئے تو یہ کہ جو امراض مسلمانوں میں پیدا ہو چکے ہیں۔ ان کا حل قرآن وحدیث میں تلاش کیا جائے۔ اور واقعات خصوصی کو عام انداز سے پیش کیا جائے اور ان نقائص سے بچنے کی تلقین کی جائے جن کی وجہ سے سابقہ قوموں کو عذاب کا مزا چکھنا پڑا۔ جیسا کہ اب میں نے آپ کو قرآن مجید پڑھایا ہے۔ اس میں دینی دنیوی تمام مسائل موجود ہیں۔ معاشرتی، اقتصادی، سیاسی ہر قسم کے قوانین موجود ہیں۔ اسی لیے آج کل علماء کے لیے الاعتبار والتاویل ضروری ہے۔ تاکہ قرآن صرف ایک وظیفہ کی کتاب نہ رہ جائے۔

یہ ابتدائی تمام علوم خادم قرآن ہیں مقصود بالذات نہیں ہیں۔ مقصود بالذات صرف قرآن مجید ہے اور اس کی شرح حدیث شریف ہے۔ میں آپ سب کو نصیحت کرتا ہوں کہ اپنی اپنی جگہ جا کر قرآنی علوم کی نشر واشاعت کو اپنے ذمہ ضروری ٹھہرا لو۔ اور یہی نصب العین حیات بنالو۔ آپ حضرات نے تو اپنی عمر کے دس دس، بارہ بارہ سال منطق و فلسفہ پر خرچ کر دیئے ہیں مگر قرآن مجید میں غور و فکر نہیں کرتے۔ اب جو چیزیں میں نے آپ کو بتلائی ہیں کیا پہلے آپ کو ان کا علم تھا۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ آپ حضرات کو یہاں آنے کی توفیق دی اور مجھے پڑھانے کی۔

میں نے دس سال حضرت سندھیؒ سے قرآن مجید پڑھا اور انہوں نے مجھ سے وعدہ لیا تھا کہ میں ساری عمر قرآن میں صرف کرونگا اور اسی کو اپنا نصب العین

بتاؤں گا۔ الحمدللہ اللہ تعالےٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے مجھے اس وعدہ کے نبھانے کی توفیق بخشی۔ جوانی سے اب بڑھاپے تک بس یہی مشغلہ رہا اور اب یہ امانت آپ کو سپرد کر رہا ہوں۔ تاکہ میرے دنیا سے جانے کے بعد بھی یہ سلسلۂ خیر جاری رہے۔ یہ سندیں اسی لیے دی جاتی کہ اب آپ میں صلاحیت پیدا ہو چکی ہے۔ اب آپ پر قرآن مجید کا گھر گھر پہنچانا فرض ہو گیا ہے۔ اگر آپ نے اس فریضہ کو ادا نہ کیا تو یاد رکھیں کہ قیامت کے دن اللہ تعالےٰ گرفت فرمائے گا۔ کہ جب تمہیں میں نے قرآن کی سمجھ دی تھی تو تم نے کوتاہی کیوں کی؟ اور لوگوں تک حق کیوں نہیں پہنچایا؟

جب آپ دین حق کا آوازہ اٹھائیں گے تو لوگوں کی طرف سے مخالفتیں ہوں گی۔ طعنے دیئے جائیں گے۔ تکالیف پہنچیں گی۔ مگر یاد رکھو کر ڈٹ کر تمام مصائب کا مقابلہ کرنا آخر یہ فتح تمہاری ہو گی۔ باطل دم دبا کر بھاگ گیا۔ میری زندگی تمہارے سامنے ہے اللہ تعالیٰ نے کس طرح کامیاب بنایا۔ میرے مقابلے میں بڑے بڑے آئے مگر سب کو منہ کی کھانی پڑی۔

اب آخر میں ایک ضروری چیز عرض کر دوں۔ کہ آپ کو قرآنی معارف تب زیادہ حاصل ہوں گے جب اخلاص ہو گا۔ اور لوگوں پر آپ کے اخلاص کا اثر پڑے گا۔ اگر اخلاص زیادہ ہو تو فوراً اثر لوگوں پر ہو گا لیکن اگر اخلاص کی کمی ہو یا اخلاص نہ ہو تو پھر کچھ اثر بھی نہیں ہو گا۔ بلکہ قرآنی فہم بھی چھین لیا جائے گا۔ اور اخلاص کی ضد طمع ہے اور آج کل یہ مرض عام ہے جب کسی مدرسہ یا مسجد میں علماء کو جگہ ملتی ہے تو پہلے تنخواہ کی بات طے کرتے ہیں کہ کتنی دو گے؟ اگر

ایک جگہ زیادہ اور دوسری جگہ کم ہو تو زیادہ روپوں کے لیے پہلی جگہ چلے جائیں گے۔ حالانکہ جتنی دین کی تبلیغ دوسری جگہ ہو سکتی تھی یہاں نہیں ہو سکتی۔ مگر اپنے نفع کی خاطر یہ کام کرتے ہیں۔

یاد رکھو۔ جہاں بھی جاؤ۔ نصب العین بنالو کہ دین کی تبلیغ قرآن کے درس پر کچھ بھی کسی سے نہیں لینا۔ جیسا کہ تمام انبیاء سے قرآن مجید کہلوایا گیا۔

وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

(سورہ الشعراء ع ۱۰۹)

ترجمہ:۔ اور میں تم سے اس پر کوئی مزدوری نہیں مانگتا۔ میری مزدوری تو بس رب العالمین کے ذمہ ہے۔

جب یہ نصب العین ہوگا تو عوام پر قرآن مجید اور آپ کی تبلیغ کا اثر ہوگا اور صلاحیت پیدا ہوگی کہ دین اسلام کی خدمت کر سکیں۔

پھر یہ شک گزرا ہے کہ آخر دنیوی کفالت کہاں سے ہوگی۔ تو اس کے متعلق بھی قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ۔ (طلاق ۲۲)

ترجمہ:۔ اور جو اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے لیے نجات کی صورت نکال دیتا ہے اور اسے رزق دیتا ہے جہاں سے اسے گمان بھی نہ ہو۔

جب اللہ تعالےٰ نے اپنے ذمہ کفالت لے لی ہے تو اب آپ کو بالکل یک طرف ہو کر صرف اللہ تعالےٰ کے دین کی خدمت کرنی چاہیئے پھر دیکھیں اللہ تعالیٰ آپ کو کیسے چمکاتا ہے۔

اب آخر میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ سب کو قرآن مجید کی اشاعت کی توفیق دے اور اخلاص سے کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے جب تک زندہ رکھے۔ صراطِ مستقیم پر چلائے نئے نئے فتنوں اور گمراہیوں سے بچائے۔ اپنے اکابرین کے نقشِ قدم پر چلائے اور خاتمہ بالایمان فرمائے۔ اور قیامت کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت نصیب ہو۔ اور جنت میں اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے داخل ہوں۔ ۔ واٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین ۔
وما علینا الا البلاغ المبین ۔ وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ سیدنا ونبینا ومولانا محمد وعلیٰ اٰلہٖ وصحبہٖ وبارک وسلم۔

حضرت شیخ التفسیر کا شوقِ شہادت

مولوی خدا بخش صاحب

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضرت مولانا احمد علی رحمۃ اللہ علیہ آزاد کشمیر کے ہیڈ کوارٹر مظفر آباد میں تشریف لائے جب انہیں یہ بتایا گیا کہ یہاں سے چالیس میل آگے مقام چناری ہے اور وہاں سے صرف پانچ میل کے فاصلے پر ہندوستان کی گورکھا اور ڈوگرہ فوج ہے جن کے مغرب میں مجاہدین اسلام ڈیرے ڈالے ہوئے ہیں ایک پہاڑی نالہ درمیان ہے تو حضرت نے فرمایا عزیز! جی تو چاہتا ہے۔ کہ کفر و اسلام کی لڑائی ہو اور اسی ظالم ڈوگرے کے خلاف جہاد ہو بس اسی جہاد میں دشمن کی گولی میرے سینے میں لگے اور میں اللہ کی راہ میں شہید ہو جاؤں جان لو یہ شہادت کا جذبہ ایمان کی قوت سے بڑھتا ہے اور ایمان کی قوت قرآن سے بڑھتی ہے۔
اور جب اس کی آیتیں ان پر پڑھی جائیں تو ان کا ایمان زیادہ ہو جاتا ہے اور

وہ اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں" واقعی قرآن ہی پڑھا اور اسی سورۂ انفال سے لڑائی کی تیرہ دفعات سنیں پھر اگلی سورۂ توبہ میں کفار کے مقابلے میں الٹی میٹم پایا۔ بس حضرت مولانا احمد علی رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر ہوئی ۱۹۲۱ء کا زمانہ تھا اور دسویں جماعت میں پڑھا کرتے تھے۔ اسی قرآن سے جذبۂ شہادت جو پیدا ہوا تو وہ ہمیں کابل لے گیا اور وہاں سے بخارا، سمرقند، تاشقند اور بحیرہ خزر کے پار کوہ قاف کے دامن میں باکو شہر تک کا سفر اختیار کیا۔ کابل میں امام انقلاب حضرت مولانا عبیداللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ کی شفقت نصیب ہو گئی وہ وہاں اپنے استاد شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ حکم سے پہنچے ہوئے تھے اور وہ چند دن پہلے امیر امان اللہ کی فوجوں کو انگریزی فوجوں کے مقابلے میں قرآن کے ذریعہ کسا چکے تھے چنانچہ امیر کے باپ دادا انگریز وظیفہ خوار تھے۔ مولانا سندھیؒ نے امیر کابل کو اس انگریزی وظیفے کی لعنت سے نکال کر خود مختار حکمران بنا دیا تھا دو طرف لڑائی ہوئی تھی پشاور کی طرف ڈھکہ ہے ادھر مولانا عبیداللہ سندھیؒ لڑ چکے تھے اور بنوں کوہاٹ کی طرف مولانا کے سیکرٹری ظفر الحسن صاحب لڑتے رہے تھے چنانچہ انہی کا گولہ جب تھل کے مقام پر پڑا تھا تو انگریز فوج ایسی پسپا ہوئی کہ آخر انگریز نے صلح کے لیے گھٹنے ٹیک دیئے بچو! یہ مجاہد ظفر الحسن ابھی ترکیہ کے انگورا شہر میں زندہ ہیں۔

ہاں عزیزو! حضرت احمد علیؒ سے جب قرآن سنا تو معلوم ہوا کہ مجاہد کا درجہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑا ہے۔ چنانچہ وہ سورۂ توبہ کے رکوع ۳ میں ارشاد فرماتا ہے "جو لوگ ایمان لائے اور گھر چھوڑے اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں سے لڑے اللہ کے ہاں ان کیلئے بڑا درجہ ہے اور وہی لوگ مراد پانے والے ہیں"

جب شوق شہادت پیدا ہو جاتا ہے تو پھر تین چیزوں کے مقابلے میں اکھ

چیزوں کی کوئی قدر و قیمت نہیں رہتی چنانچہ قرآن عزیز کی اسی سورۃ التوبہ میں ہے کہ کہدے (۱) اگر تمہارے باپ (۲) بیٹے (۳) اور بھائی (۴) اور بیویاں (۵) اور برادری (۶) مال جو تم نے کمائے ہیں (۷) اور سوداگری جس کے بند ہونے سے تم ڈرتے ہو (۸) مکانات جنہیں تم پسند کرتے ہو۔ تمہیں (۱) اللہ اور (۲) اس کے رسول اور (۳) اسکی راہ میں لڑنے سے زیادہ پیارے ہیں۔ تو انتظار کرو۔ یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم بھیجے اور اللہ نافرمانوں کو راستہ نہیں دکھاتا۔"

شوقِ شہادت ہی تھا۔ کہ ایک صحابی کو بھوک لگی۔ کھجوروں کا تھیلا کھولا ہی تھا کہ جہاد کے لیے نقارہ بج گیا۔ بولا شہید ہو گئے تو جنت ہی میں کھا لیں گے۔ چنانچہ شریک ہو گئے۔ تاکہ شہید ہوں ــــ اسی طرح ایک صحابیؓ کو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مالِ غنیمت دینے لگے تو بولا رسول اللہ صلی اللہ علیہ میں اس لیے اسلام نہیں لایا تھا کہ اللہ کی راہ میں لڑوں اور پھر غنیمت کا مال حاصل کروں میں تو اس لیے لڑا تھا کہ اللہ کی راہ میں میرے حلق میں تیر لگے اور میں شہید ہو جاؤں۔ چنانچہ اگلی لڑائی میں وہ شریک ہوا تو تیر حلق ہی میں لگا جب اس کی نعش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لائی گئی۔ تو آپ نے فرمایا کہ یہ اپنی مراد کو پہنچ گیا ہے

شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مومن
نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی

سبحان اللہ عزیز و کمسن بچہ عمیر بن ابی وقاص و رافع اور انکے ساتھی بچوں کا یہی شوقِ شہادت ہی تھا جو انہیں ابھار کر اسلام کی جنگوں میں لے گیا۔ اور انہوں نے ابوجہل جیسے دشمن اسلام قتل کر کے جہنم میں بھیجا۔ حضرت مولانا احمد علیؒ جب

ہمارے عزیز عبدالمالک کو فوجی وردی میں دیکھتے تھے اور انجمن حمایت اسلام کے سالانہ جلسے میں اس سے تلاوت قرآن اور نظم کشمیر سنا کرتے تھے تو بہت پیار کیا کرتے تھے ایک دفعہ جمعیت علمائے اسلام کا اجلاس شیرانوالہ میں ہو رہا تھا تو حضرت نے عزیز عبدالمالک کو فوجی وردی میں رضا کار کی ڈیوٹی پر کھڑے دیکھا تو فرمایا بھئی اس ننھے مجاہد کو چائے کے ساتھ دو بسکٹ دینا چنانچہ اسے چائے کے ساتھ دو بسکٹ دے دیئے گئے۔

عزیز بچو، عبدالمالک ننھے مجاہد سے حضرت بہت زیادہ پیار کرتے تھے اس لیے کہ وہ مجلس ذکر میں شریک ہوتا تھا اور مجاہدوں جیسے کام کرتا تھا تم بھی مجاہد بنو اور قرآن کے ذریعے اپنے اندر شوق شہادت پیدا کرو۔

آج جس قوم میں فوجی اسپرٹ زیادہ ہوگی وہی قوم غالب رہے گی۔ اسی لئے جنگ کی دسویں دفعہ قرآن عزیز میں یہ ہے" اور ان سے لڑنے کیلئے جو کچھ (سپاہیانہ) قوت سے اور پلے ہوئے گھوڑوں سے جمع کر سکو سو تیار رکھو کہ اس سے اللہ کے دشمنوں پر اور تمہارے دشمنوں پر اور ان کے سوا دوسروں پر جنہیں تم نہیں جانتے اللہ انہیں جانتا ہے ہیبت پڑے ....."

اس میں کوئی شک نہیں کہ آج گھوڑے سے لڑنے کا رواج نہیں رہا اس لیے مطلب یہ نکلا کہ جن ہتھیاروں سے تمہارا دشمن تیار ہو رہا ہے۔ وہی ہتھیار تم بھی تیار رکھو آج علم کا زمانہ ہے۔ اگرچہ ہماری حکومت اس سے بے خبر نہیں وہ سائنس کے زمانہ میں اس کی طرف زیادہ توجہ دے گی تو دشمن پر غالب آئے گی۔ بہرحال ہمیں فوجی تیاری میں پوری کوشش سے کام لینا چاہیئے۔ ہمارا

سکول ہو یا کالج ہر طالب علم کو اپنے اندر فوجی سپرٹ پیدا کرنی چاہئیے تاکہ لڑائی کا وقت آنے پر کوئی بھی پیچھے نہ رہ جائے۔

مَثَلُ كَلِمَةٍ طَيِّبَةٍ كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ

شجرۂ خاندان عالیہ قادریہ راشدیہ الوریہ

روضہ مطہر مدینہ منورہ — الٰہی بحرمت شمس الضحیٰ نور الہدیٰ احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم — عرب شریف

مزار نجف شریف قالبا	الٰہی بحرمت باب العلوم اسد اللہ الغالب علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ	عراق عرب
بصرہ	الٰہی بحرمت حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ۔	؍؍
بغداد شریف	الٰہی بحرمت حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ۔	؍؍
بصرہ	الٰہی بحرمت حضرت خواجہ حبیب عجمی رحمۃ اللہ علیہ۔	؍؍
بغداد شریف	الٰہی بحرمت حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ	؍؍
بغداد شریف	الٰہی بحرمت حضرت شیخ سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ	؍؍
بغداد شریف	الٰہی بحرمت حضرت شیخ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ	؍؍
بغداد شریف	الٰہی بحرمت حضرت شیخ ابوبکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ	؍؍
بغداد شریف	الٰہی بحرمت حضرت عبدالواحد تمیمی رحمۃ اللہ علیہ	؍؍
طرطوس	الٰہی بحرمت حضرت ابوالفرح طرطوسی رحمۃ اللہ علیہ	اندلس
بغداد شریف	الٰہی بحرمت حضرت شیخ ابوالحسن ہنکاری قرشی رحمۃ اللہ علیہ	عراق عرب
بغداد شریف	الٰہی بحرمت حضرت شیخ ابوسعید مبارک مخزومی رحمۃ اللہ علیہ	؍؍

بغداد شریف	الٰہی بحرمت حضرت شاہ محی الدین عبدالقادر جیلانی اول رحمۃ اللہ علیہ	عراق عرب
بغداد شریف	الٰہی بحرمت حضرت شیخ سیف الدین عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ	〃
بغداد شریف	الٰہی بحرمت حضرت سید صفی الدین صوفی رحمۃ اللہ علیہ	〃
حلب شریف	الٰہی بحرمت حضرت سید ابوالعباس احمد رحمۃ اللہ علیہ	شام
حلب شریف	الٰہی بحرمت حضرت سید مسعود رحمۃ اللہ علیہ	〃
حلب شریف	الٰہی بحرمت حضرت سید علی رحمۃ اللہ علیہ	〃
حلب شریف	الٰہی بحرمت حضرت شاہ میر رحمۃ اللہ علیہ	〃
حلب شریف	الٰہی بحرمت حضرت سید شمس الدین جیلانی بغدادی حلبی اول رحمۃ اللہ علیہ	〃
اُچ شریف	الٰہی بحرمت حضرت سید محمد غوث گیلانی الحسنی حلبی اچی رحمۃ اللہ علیہ	ضلع بہاولپور
اُچ شریف	الٰہی بحرمت حضرت سید عبدالقادر ثانی رحمۃ اللہ علیہ	〃
اُچ شریف	الٰہی بحرمت حضرت سید عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ	〃
اُچ شریف	الٰہی بحرمت حضرت حامد گنج بخش کلاں رحمۃ اللہ علیہ	〃
اُچ شریف	الٰہی بحرمت حضرت سید عبدالقادر ثالثؒ رحمۃ اللہ علیہ	〃
اُچ شریف	الٰہی بحرمت حضرت سید عبدالقادر رابعؒ رحمۃ اللہ علیہ	〃
اُچ شریف	الٰہی بحرمت حضرت حامد گنج بخش ثانیؒ رحمۃ اللہ علیہ	〃
اُچ شریف	الٰہی بحرمت حضرت سید شمس الدین ثانیؒ رحمۃ اللہ علیہ	〃
اُچ شریف	الٰہی بحرمت حضرت سید محمد صالح رحمۃ اللہ علیہ	〃
پیر کوٹ سدھانہ	الٰہی بحرمت حضرت عبدالقادر جیلانی خامسؒ رحمۃ اللہ علیہ	ضلع جھنگ
پیر گوٹھ پگارا	الٰہی بحرمت حضرت سید محمد بقا رحمۃ اللہ علیہ	ضلع سکھر

پیر گوٹھ پگارا	الٰہی بحرمت حضرت سید محمد راشد رحمۃ اللہ علیہ	ضلع سکھر
سوئی شریف	الٰہی بحرمت حضرت شاہ حسن رحمۃ اللہ علیہ	"
بھرچونڈی شریف	الٰہی بحرمت حضرت شیخ حافظ [محمد صدیق] رحمۃ اللہ علیہ	"
دین پور شریف ضلع بہاولپور	الٰہی بحرمت حضرت [شیخ المشائخ مرشدنا خلیفہ غلام محمد رح] الٰہی بحرمت حضرت [قطب الاقطاب سید مولانا مولوی تاج محمود رح]	
مقیم لاہور شہر	الٰہی بحرمت حضرت مرشدنا مولانا [مولوی احمد علی صاحب] شیخ التفسیر رحمۃ اللہ علیہ	مغربی پاکستان
مقیم لاہور شہر	الٰہی بحرمت جانشین شیخ التفسیر حضرت مولانا عبید اللہ انور صاحب مدظلہ العالی	

ترکیبِ ذکرِ جہر!

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ اور بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کے بعد اول گیارہ دفعہ سورۃ اخلاص پڑھی جائے پھر ہاتھ اٹھا کر حضرت شیخ عبد القادر جیلانی محبوب سبحانی رحمۃ اللہ علیہ کی روح کو ثواب پہنچایا جائے! در منورجہ ذیل تین دعائیں کی (۱) اے اللہ! تو مجھے اپنا شوق نصیب فرما (۲) اے اللہ! تو مجھے اپنا نام نصیب فرما (۳) اے اللہ مجھ سے وہ کام کرا جن میں تو راضی ہو اسکے بعد ذکر شروع کیا جائے! اور تسبیح کے دانہ ساتھ ہی پھیرنے شروع کر دئے جائیں — افضل الذکر لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ - لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ - لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ تین دفعہ پورا کلمہ پڑھنے کے بعد پھر فقط لا الٰہ الا اللہ کا کلمہ زبان سے کہا جائے دس تسبیح اس کلمہ کی پھیری جائیں اسکے بعد اللہ کا ذکر کیا جائے پہلی تین مرتبہ میں جلّ شانہٗ کا لفظ بھی کہا جائے بعد میں فقط اللہ کافی ہے — اسکے بعد ھُو کا ذکر کیا جائے اسکی بھی دس تسبیح پھیری جائیں — اسکے بعد مراقبہ کرے پندرہ یا بیس منٹ یا ۹ مرتبہ لفظ اللہ لطیفہ قلبی پر ضرب لگائے۔ اسکے بعد یہ دعا پڑھیں — اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنَّا - رَبَّنَا اٰتِنَا

فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ - اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَجْعَلُكَ فِیْ نُحُوْرِهِمْ وَنَعُوْذُ بِكَ مِنْ شُرُوْرِهِمْ - اَللّٰهُمَّ اسْتُرْنِیْ بِسِتْرِكَ الْجَمِیْلِ - وَادْخِلْنَا الْجَنَّةَ بِغَیْرِ حِسَابٍ - یَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قُلُوْبَنَا عَلٰی دِیْنِكَ - اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَعُوْذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ عَذَابِ النَّارِ وَمِنْ فِتْنَةِ الْمَحْیَا وَالْمَمَاتِ وَمِنْ فِتْنَةِ الْمَسِیْحِ الدَّجَّالِ - اَللّٰهُمَّ هَوِّنْ عَلَیْنَا سَکَرَاتِ الْمَوْتِ - رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّیّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْیُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِیْنَ اِمَامًا - اَللّٰهُمَّ وَفِّقْنَا لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی وَاجْعَلْ اٰخِرَتَنَا خَیْرًا مِّنَ الْاُوْلٰی -

حضرت شیخ کے خلفاء

(۱) مولانا الحاج حافظ محمد حبیب اللہ صاحب خلف اکبر مدینہ منورہ (۲) مولانا الحاج عبدالہادی جانشین سلطان العارفین حضرت دین پوری خانپور (۳) مولانا الحاج ابوالحسن علی ندوی مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء (۴) مولانا الحاج عبدالعزیز صاحب مسجد نور فتگمری (۵) مولانا الحاج بشیر احمد صاحب جامع مسجد پسرور سیالکوٹ (۶) جانشین شیخ التفسیر حضرت مولانا عبیداللہ انور لاہور (۷) مولانا الحاج حمید احمد صاحب لاہور (۸) حضرت مولانا محمد شعیب صاحب میاں علی شیخو پورہ (۹) مولانا قاضی زاہد الحسینی پروفیسر گورنمنٹ کالج کیمل پور (۱۰) مولانا عرض محمد صاحب کوئٹہ (۱۱) مولانا سید احمد شاہ بخاری چک نمبر سرگودھا (۱۲) مولوی محمد ہارون صاحب ہٹھری پالی سکھر (۱۳) مولانا گل محمد ایران (۱۴) مولانا محمد حسین خانیوال (۱۵) مولانا قاضی عبداللطیف جہلم (۱۶) مولانا غلام رسول ڈیرہ اسمٰعیل خان (۱۷) قاری عبدالکریم ترکستانی ملل کراچی (۱۸) مولوی محمد علی صاحب کیمبرہ سگبرٹ سرگودھا (۱۹) مولوی عبدالمجید صاحب رحیم یار خان (۲۰) مولوی احمد شاہ گیلانی سندھ (۲۱) حاجی میر محمد صاحب چونگل (۲۲) حضرت الحاج امین الحق صاحب شیخو پورہ (۲۳) مولانا غلام قادر ملتان (۲۴) مولوی محمد حسین سندھ

حضرت مولانا دوست محمد صاحب کبیر والا۔

الٰہی بحرمت حضرت سید محمد راشد رحمۃ اللہ علیہ — پیر گوٹھ پگارا — ضلع سکھر

الٰہی بحرمت حضرت شاہ حسن رحمۃ اللہ علیہ — سرائی شریف — 〃

الٰہی بحرمت حضرت شیخ حافظ محمد صدیق رحمۃ اللہ علیہ — بھرچونڈی شریف — 〃

الٰہی بحرمت حضرت شیخ المشائخ مرشدنا خلیفہ غلام محمدؒ — مزار دین پور شریف ضلع بہاولپور

الٰہی بحرمت حضرت قطب الاقطاب سیدی مولانا مولوی تاج محمودؒ

مولوی احمد علی صاحب شیخ التفسیرؒ — مزار لاہور شہر — مغربی پاکستان

الٰہی بحرمت جانشین شیخ التفسیرؒ حضرت مولانا عبید اللہ انور مدظلہ العالی — مقیم لاہور شہر

فرمانِ شیخ التفسیر مولانا احمد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

"اگر کوئی شخص آسمان پر اڑتا ہوا آئے، لاکھوں مرید پیچھے لگا لائے، دریا پر سے گذرے مگر اس کا مسلک حضورؐ کے طریقے کے خلاف ہو تو اس کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھنا گناہ ہے، اس کی بیعت حرام ہے اگر ہو جائے تو توڑنا فرض عین ہے ورنہ خود بھی جہنم میں جائے گا اور اپنے پیچھے چلنے والوں کو بھی جہنم رسید کریگا۔"

"کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں کامل ہو گیا ہوں۔ قبر میں داخل ہونے سے پہلے ہر وقت خطرہ ہے۔"

"کامل مومن وہ ہے جس کا تعلق خالق اور مخلوق سے ہے۔ خالق کو راضی کرنا آسان ہے لیکن مخلوق کو بہت مشکل۔ مخلوق کو خوش کرنے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ اُن کا حق ادا کر دے اور اپنا حق طلب نہ کرے۔"

"غیر اللہ کو سجدے کرنا، ان سے مرادیں مانگنا، ان کی قبروں پر چڑھاوے چڑھانا یا مصیبت کے وقت ان کی امداد طلب کرنا شرک ہے۔